صرف احباب جماعت کی تعلیم و تربیت کے لیے

انٹرنیشنل

پیغامِ صُلح

مدیر: مدثر عزیز

قیمت فی پرچہ -/5 یورو

فون: +49-308735703

Email: generalsecretaryaaiil@gmail.com

احمدیہ انجمن لاہور (جرمنی) کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔

جلد نمبر 03 | 19 ذیقعد تا 19 ذوالحج 1439 ہجری یکم اگست تا 31 اگست 2018ء | شمارہ نمبر 15-16

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

قرآن کریم کی تاثیر

قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اُترتا تو پہاڑ خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور زمین کے ساتھ مل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص محبتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اوّل تکبر کو توڑنا، جس طرح کے کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہوا ہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ تمام تکبر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دوسرا یہ کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر متصدعاً ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جدا ہو جاتی ہے ایسا ہی اس کے پہلے تعلقات جو موجب گندگی اور الٰہی نارضامندگی کے تھے وہ سب تعلقات ٹوٹ جائیں اور اب اس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رہ جائیں‘‘۔ (ملفوظات احمدیہ جلد اوّل)

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا

عیدالاضحیٰ کا پیغام

یہ اتفاق ہے کہ پچھلے تین سالوں سے میں عیدالاضحیٰ کے پیغامات بیرونی ممالک سے بھیجتا رہا ہوں۔
میں اللہ کا شکرادا کرتا ہوں کہ اس موقع پر میں عید پاکستان میں مناؤں گا۔

پیغام صلح کے اس شمارہ کی وساطت سے میں تمام پاکستانی اور بیرونی ممالک کی جماعتوں کے احباب کو عیدالاضحیٰ پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کے لئے یہ خوشی کا دن بابرکت بنائے۔

آج کی عید اُن قربانیوں کی جو ایک عظیم الشان نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بیوی حضرت حاجرہ علیہا السلام نے اللہ کی راہ میں پیش کیں سے وابستہ ہے۔ ان قربانیوں میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ اور سبق رکھا ہے کہ کسی بھی قربانی کی جو اللہ کی راہ میں دینے کی ضرورت پڑے، اُن سے دریغ نہ کیا جائے۔

عیدالاضحیٰ ایک پیغام لاتی ہے کہ بظاہر ایک جانور کی قربانی کرنا اس کا اصلی مقصد نہیں بلکہ اپنی جان کو ہر وقت اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کے لئے آمادہ رہنے کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک جانور کا خون بہا دینا اور اس کا گوشت کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ عید کا اصلی مقصد اپنے نفس جو اللہ کی راہوں سے بغاوت کرے وہ ایک جانور کی سی حیثیت رکھتا ہے اُسے بھی عید کے روز ہمیشہ کے لئے ذبح کر دینا عید کا اصلی مقصد ہے۔

اس کے علاوہ عیدالاضحیٰ ہماری توجہ سورۃ الانعام کی درج ذیل آیت کی جانب بھی مبذول کرواتی ہے کہ ہم ہمیشہ اس پر عمل کرنے والے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے والے ہو جائیں۔

”کہہ دو کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے“ (162:6)
اس دعا کے ساتھ کہ اللہ ہماری نمازوں اور قربانی اور جینا، مرنا اللہ ہی کے لئے بنانے میں ہماری مدد فرمائے،

میں آپ سب کو **عید مبارک** کہتا ہوں۔

افتتاحی خطاب و دُعا

برموقع ''سالانہ تربیتی کورس'' فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ یکم جولائی 2018ء بمقام جامع دارلسلام، لاہور

ترجمہ: اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے، تمام جہانوں کے رب، بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا، نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔'' (سورۃ الفاتحہ)

میں نے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی ہے۔قرآن اس سے شروع ہوتا ہے اس لئے میں جب کوئی بھی خطبہ، درس یا تقریر شروع کرتا ہوں تو میں اکثر اسی سورۃ کا انتخاب کرتا ہوں۔ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہمارے بچوں اور ہمیں اس تربیتی کورس کے ذریعہ ایک اور موقع علم میں اضافہ کرنے کا عطا فرمایا۔

کسی عقلمند انسان نے کہا ہے کہ دنیا کے مستقبل کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے کہ ایک طالب علم اپنے سکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اُس سے کتنا فائدہ اٹھا رہا ہے؟ اس لئے دنیا کا مستقبل، آپ کی تعلیم پر منحصر ہے، آپ اُس کے لئے رات دن چھوٹی سے چھوٹی کلاس سے لے کر بڑی سے بڑی کلاس تک محنت کرتے ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اور آپ کے والدین آپ کی اس تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہتے ہیں؟ وجہ وہ خواہش ہے کہ یہ بچہ بڑا افسر بن جائے۔یہ ٹھیک ہے کہ دنیا کا مستقبل آپ کی اس پڑھائی کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔لیکن جو چیز ہم یہاں سیکھنے کے لئے بیٹھے ہیں اور آپ لوگ اپنی چھٹیاں چھوڑ کر تربیت کے لئے اس کورس میں شامل ہونے کے لئے آئے ہیں، وہ دین کا علم ہے۔میں کہوں گا کہ جو ہماری جماعت کا مستقبل ہے، وہ بھی اسی پر منحصر ہے کہ کتنے بچے کیا سیکھ کر یہاں سے جائیں گے۔وہ یہ سیکھیں گے تو آگے جماعت کو سمجھنے کے لئے، احمدیت کو سمجھنے کے لئے اور اس جماعت کو چلانے کے لئے اُن کے ذہنوں میں بنیاد بن جائے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے کہا ہے کہ بیشک دنیاوی علم بھی حاصل کرو لیکن دین کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور وہ علم حاصل کر کے جو چیز آپ بن جاؤ، چاہے ڈاکٹر، انجینئر یا جو بھی آپ بننا چاہتے ہو، وہ ضرور بنو، پڑھائی سے منع نہیں کیا، لیکن جب آپ دنیاوی مقصد حاصل کر و تو اُس کو بھی آپ دین اور انسانیت کی بھلائی کی خاطر استعمال کرو۔دنیاوی نوکریاں زندگی میں سہولت لاتی ہیں اور زندگی کو ممکن بناتی ہیں۔لیکن اپنی کمائی میں سے دین کے فروغ کے لئے بھی حصہ نکالو اور جماعت کے کاموں میں بھی حصہ لو۔

ان دنوں جو آپ پڑھیں گے اس کو دھیان سے پڑھنا ہے، اپنا وقت پوری طرح استعمال کرنا ہے لیکن ہم جو بھی پڑھائیں گے پندرہ دن میں اس کا مقصد کورس کے بعد امتحان پاس کرنا نہیں اور نہ ہی وہ مکمل علم ہے بلکہ ایک وسیع علم کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے۔اس تقریر کا ایک پہلو والدین کی توجہ دلانا ہے کہ اس علم کو بڑھانے اور جاری رکھنے میں وہ اپنا کردار ادا کریں۔ایک مشاہدہ ہے کہ انسان جو وقت جاگتے ہوئے گزارتا ہے وہی اُس کا کچھ سیکھنے کا وقت ہوتا ہے۔اگر سیکھنے کو 100 گھنٹے ملیں تو ان میں سے صرف گیارہ ساڑھے گیارہ گھنٹے وہ سکول میں سیکھ رہا ہوتا ہے تو یوں ایک سال میں وہ صرف 12 فیصد سکول میں سیکھ رہا ہوتا ہے اور باقی 88 فیصد وہ گھر میں سیکھ رہا ہوتا ہے۔تو پھر اگر کوئی بچہ

دنیاوی لحاظ سے یا روحانی طور پر کامیاب نہیں ہوتا تو اس میں غلطی کس کی زیادہ ہوئی، گھر والوں کی یا سکول والوں کی؟ اس لئے والدین کو بہت بڑا پیغام ہے کہ جو بنیاد اس کورس کے دوران رکھی جائے گی، جس چیز کی بنیاد ہم یہاں بچوں کی تعلیم میں رکھیں گے اس کو آگے بڑھانا والدین کا فرض بن جاتا ہے۔ ہم یہاں کہہ سکتے ہیں کہ نمازیں پڑھیں، لیکن جب گھر چلے جائیں گے تو وہاں اگر والدین خود نہ پڑھ رہے ہوں یا بچوں کی نگرانی نہ کر رہے ہوں تو بچے کیسے نماز کو قائم رکھ سکیں گے۔ خاص کر سینئر طلباء جو یہاں بیٹھے ہیں ان سے مخاطب ہوں کہ یہ دنیا وہ نہیں رہی کہ آپ کے منہ میں جو ڈال دیا جائے اُسے صرف نگل لینا ہے۔ ہم جو سیکھیں گے اس کو ہم نے گھر جا کر آگے خود بڑھانا ہے۔ ہم نے شوق رکھنا ہے کہ اپنا علم کیسے بڑھائیں۔ والدین نے اس تربیت میں بھرپور حصہ لینا ہے۔ بڑے بچوں کو وقت نکال کر لائبریری میں آنا چاہیے۔

بچے اپنی چھٹیوں میں کھیل کود کے علاوہ دینی تعلیم کو بھی ترجیح دیں۔ یہاں قاری صاحب موجود ہیں اُن کے زیرِ تعلیم کچھ چھوٹی سورتیں بھی چھٹیوں میں یاد کرنی چاہئیں۔ اس طرف بھی والدین توجہ کریں۔ سب کی دنیا کی طرف بہت زیادہ توجہ ہے۔ کہیں دوسری، تیسری جماعت کا امتحان بھی آجائے تو بچوں کو والدین پڑھائی کے لئے وقت بچانے کی غرض سے نمازوں میں نہ آنے پر توجہ کم کر دیتے ہیں کہ اس وقت میں بچہ جو پڑھ لے گا تو کچھ نمبر زیادہ آجائیں گے، اساتذہ کو توجہ دلانی ہے کہ ان پندرہ دنوں میں اپنی پوری محنت کریں کیونکہ یہ دین کی خدمت ہے۔ وہ پوری لگن سے اپنا علم منتقل کریں۔ استاد کی مثال موم بتی کی طرح ہے کہ وہ جلتی ہے تو اپنی روشنی اوروں کو بھی منتقل کرتی ہے لیکن اس کی اپنی زندگی ختم ہوتی جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو قربان کر کے روشنی دوسروں تک پہنچاتی ہے۔

ایک مشہور سوال پوچھا جاتا ہے کہ سیب کا کیا مقصد ہے؟ کیا اس کا مقصد یہی ہے کہ اس کو کھایا جائے؟ نہیں بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ کل کو اس کے اندر سے ایسا درخت نکل آئے جس کے اوپر سیب ہی سیب لگیں۔ اس لئے والدین درخت کے مانند ہیں جن کے اوپر یہ سیب لگے ہوئے ہیں۔ اب ان سیبوں کو اس قابل بنایا جائے کہ ان کے اندر سے اور درخت اُگ سکیں ورنہ اس جماعت کا مستقبل جو اِن بچوں سے وابستہ ہے وہ کیسے جاری رہے گا؟

چھوٹے چھوٹے بچوں کو ابھی ایک تصویر دکھانے والا ہوں جس کے ذریعہ اُن کو نصیحت ہوگی۔ یہ تصویر کچھ سال پہلے بھی دکھائی تھی یہ 1971ء کی ہے، جب ایبٹ آباد میں سمر سکول (تربیتی کورس) کا آغاز ہوا تھا۔ اس میں ایک مسجد ہے جو ایبٹ آباد کی مسجد ہے، اس زمانہ میں اس مسجد پر کلمہ طیبہ بھی لکھا ہوا تھا، اور پھر ایسے قانون آئے کہ یہ کلمہ ہتھوڑوں کے ساتھ توڑا گیا۔ **1971**ء میں میری عمر **26** سال کی تھی اور میں ملک سے کچھ سالوں کے لئے باہر تھا اور وہاں پر خط موصول ہوا کہ ایبٹ آباد میں چند بزرگوں کی محنت کی وجہ سے ایک تربیتی کورس رکھا گیا ہے، اس طرح **1971**ء میں تربیتی کورس کی بنیاد رکھی گئی۔ اُس وقت جو مجھے خوشی محسوس ہوئی وہ بیان سے باہر ہے کیونکہ مجھے بچپن سے ہی تعلیم کے ساتھ لگن ہے۔ آج میں دوبارہ کچھ سال پہلے کی تصویر اس لئے نکال کر لایا ہوں کہ اپنی تاریخ کو بھولنا نہیں چاہیے۔ تھوڑے سے لوگ تھے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کوئی بیٹھے ہیں اور کوئی کھڑے ہیں اور اُس وقت ڈاکٹر سعید احمد خان (جو بعد میں جماعت کے امیر قوم بنے) اس کورس کے ڈائریکٹر کہلائے اور میاں فضل احمد صاحب جو اس وقت کے پریزیڈنٹ تھے اُن کی کوششوں سے اس کورس کی بنیاد رکھی گئی اور یہ سکول مقامی جماعت لاہور کی طرف سے منعقد ہوا۔ اس وقت 1974ء نہیں آیا تھا۔ ہمارے پاس ایسے استاد بھی تھے جو احمدی نہیں تھے وہ بھی پڑھاتے تھے انہوں نے بھی اس میں شرکت کی۔ تصویر میں احمدیہ جماعت کے احباب ہیں جنہوں نے فائدہ اٹھایا ان میں چند وفات پاچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اجر دے، جنت میں اونچے مقام دے اور ان کے بچوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلائے۔ مرحومین میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، میاں فضل احمد صاحب، حافظ شیر محمد صاحب، صالح نور صاحب، ماسٹر اصغر علی صاحب، قاضی عبدالاحد صاحب، پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب، عبدالرحمٰن نیازی

صاحب، ماسٹر عبدالرؤف صاحب اور کرامت اللہ صاحب (آپ گاؤں کی زمینوں کا خیال رکھتے تھے، اتنی تعلیم نہیں تھی، یہ اس زمانے سے لگے ہوئے تھے جب میرے والد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ایک ڈائری میں لکھا پڑھا گیا کہ کرامت اللہ کے بڑے اسرار پر اس کی تنخواہ دو روپے بڑھا کر چار روپے سے چھ روپے کردی گئی۔ اس وقت میرے والد صاحب کی تنخواہ بحیثیت ڈاکٹر 80 روپے ماہوار تھی)۔ ان لوگوں کو اور اُن کی اولادوں کو اللہ نے برکت دی کیونکہ انہوں نے جماعت سے وابستگی رکھی۔ کرامت اللہ صاحب جن کو ہم لالہ کہتے تھے ان کو اللہ نے اتنی برکت دی کہ ان کا بیٹا بریگیڈئر بنا، اور پاکستان کے نامور سکول کا بعد میں پرنسپل بھی۔ تصویر میں شامل سب لوگوں کو اللہ نے بے انتہاء برکت دی، چاہے اولادوں نے جماعت کے ساتھ وابستگی رکھی یا نہ رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے والدین کی دعائیں ان کے حق میں ضرور قبول کیں جنہوں نے دنیاوی فائدے چاہے ان کو اللہ نے دنیا دی، جنہوں نے آخرت چاہی ان کو دین کی دولت عطا فرمائی۔ آج کورس میں جتنے بچے بیٹھے ہیں ان کے والدین، دادے، نانے ہمارے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور دین کے ساتھ وابستگی قائم رکھے۔ جنہوں نے اس جماعت کے ساتھ وابستگی رکھی ہوئی ہے، ان کو اللہ تعالیٰ ہمت و استقامت عطا فرمائے۔ اس تصویر میں ایک نوجوان آدمی ملک اعزاز الٰہی صاحب ہیں، ہمارے موجودہ نائب صدر جماعت احمدیہ لاہور اور ایک بچہ جو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ساتھ بیٹھا ہے یہ تنویر احمد ہے جو اب ڈاکٹر تنویر احمد صاحب کہلاتے ہیں، یہ امریکہ میں ہوتے ہیں اور ایک نامور ڈاکٹر ہیں۔ وہ جماعت کے منصوبوں پر خرچ کرنے میں نہایت فراخ دل ہیں۔

اس کورس میں میرا یہی خصوصی پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنا دے کہ ہم جماعت کے ساتھ وابستگی قائم رکھیں ورنہ یہ کہنے میں کیا فائدہ ہے کہ ہمارے بزرگ اُن میں سے تھے جنہوں نے اس زمانہ کے امام کو فوراً پہچانا اور دیکھتے ہی بیعت کرلی۔ ضروری ہے کہ ہم اُن بزرگوں کی راہ میں ثابت قدمی اختیار کرلیں اور دنیاوی دباؤ میں نہ آئیں۔ صاحبزادہ عبداللطیف شہیدؓ جنہوں نے پتھروں کے نیچے دب کر شہادت قبول کی۔ اُن کا نمونہ ہم سب کے لئے حوصلہ افزاء ہے۔

ہم ہر ایک کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب احمدیوں کی اولادوں کو ہمت دے۔ یہ ہمت ٹوٹتی کب ہے؟ تب ٹوٹتی ہے جب آپ کا جماعت کے متعلق علم نہیں ہوتا کیونکہ آپ کو لوگ ڈرا بھی سکتے ہیں اور اُن کے سوالات کا آپ جواب نہیں دے سکتے تو آپ کے دل میں شکوک جنم لیتے ہیں۔ اس لئے اس کورس کا اولین مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے بچوں کو وہ تمام تعلیم دے دیں جو اُن کے لئے ضروری ہے اور پھر بچوں میں وہ شوق چھوڑ دیں اور اُن کے والدین میں اس فرض کا خیال ڈال دیں کہ اپنے بچوں کو اس تعلیم کے ساتھ وابستگی قائم رکھنے میں مسلسل لگے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس کورس کو نہایت مفید بنائے اور بامقصد بنائے، سب کو حفاظت میں رکھے، ہمارے بچوں میں یہ شوق تا حیات قائم رہے، جنہوں نے میری بات پوری طرح سمجھی ہے وہ عمل کریں گے چھوٹے بچوں کو والدین سمجھائیں۔ گھر واپسی پر نئے جذبہ کو لے کر آگے چلیں۔ ہم سب روزانہ نماز میں دعا کرتے ہیں واجعلنا للمتقین اماما کہ اللہ ہمیں متقیوں کا امام بنائے۔ امام ایسے بیٹھے بٹھائے نہیں بنتے۔ اپنے خاندان کے لئے والدین امام ہوتے ہیں، اپنی جماعت کے لئے ہر مبلغ امام ہے، ہماری جماعت کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہر آدمی کو مسیح موعود نے مبلغ بنایا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی دین کا پختہ علم حاصل کرنے میں کامیاب ہوں اور کل کو اپنے دین کے فروغ اور دفاع کی ذمہ داری اُٹھانے کے قابل بن جائیں۔ آمین

☆☆☆☆

آخری قسط

قرآن مجید میں انبیاءؑ کے حالات

اِن کے ذکر میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے (111:12)

حضرت امیر مولانا محمد علیؒ مرحوم ومغفور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ان شدید قحط کے دنوں میں) ایک دن مسجد میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص سامنے کے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے رسول خدا (قحط کی وجہ سے) مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (سبب قزاقوں اور راہزنوں کے) چھوٹ گئے ہیں۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ بارش نازل فرماوے۔ آپؐ نے اسی وقت ہاتھ اُٹھائے اور تین دفعہ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں پانی پہنچا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا تو کجا کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی تھی اور ہمارے اور سلع پہاڑی کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا (جو اس پہاڑی کو ہماری نظروں سے چھپاتا) اسی وقت ہمارے دیکھتے دیکھتے اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اُٹھا جو شکل میں ایک ڈھال کی طرح تھا اور جب وہ آسمان کے وسط میں پہنچا تو سارے آسمان پر پھیل گیا اور پھر بارش برسنی شروع ہوئی اور برابر چھ دن یعنی دوسرے جمعہ تک برستی رہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس عرصہ میں سورج کو بالکل نہیں دیکھا۔ جب دوسرے جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو ایک شخص (وہی یا کوئی اور) پھر سامنے کے دروازہ سے داخل ہوا اور آپؐ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول! مویشی (بہ سبب بارش کے ہلاک ہو رہے ہیں) اور راستے (بہ سبب سلابوں کے) متروک ہو چکے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس بارش کو تھام لے۔ آنحضرتؐ نے پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ یہ سن کر مسکرائے اور ہاتھ اُٹھائے)

اور دعا کی کہ اے اللہ! یہ بارش ہمارے اردگرد اور ہم پر نہ ہو۔ اے اللہ! اس بارش کو پہاڑیوں اور ٹیلوں اور وادیوں اور درختوں کے اُگنے کی جگہ پر برسا (ہم پر نہ برسا) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ بارش فی الفور تھم گئی اور جب ہم جمعہ کی نماز ادا کر کے باہر نکلے تو بجائے بارش کے دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ صحیح بخاری کی دوسری روایتوں میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ بارش کے لئے دعا فرمائی۔ تو ابھی آپؐ منبر پر ہی تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ چنانچہ جب آپ منبر پر سے اُترے تو آپ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اور لکھا ہے کہ جب آپؐ نے دوسرے جمعہ کو یہ دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا تو بارش مدینہ پر تو تھم گئی اور گردونواح کی وادیوں پر برابر برستی رہی۔ چنانچہ بعض وادیاں برابر ایک مہینہ تک دریاؤں ک طرح بہتی رہیں اور ہر ایک آدمی جو بیرونجات سے مدینہ میں آتا وہ بارش ہی کا ذکر کرتا تھا اور مدینہ کو ایک گول دائرہ کی طرح کہتا تھا۔

آنحضرتؐ کے اس قسم کے نشانات کثرت سے دیکھے گئے کہ ابو طالب کا مندرجہ ذیل شعر اپنے لفظی معنوں میں آپ پر لگایا جاتا تھا۔ ابو طالب نے اپنے نامی بھتیجے کی تعریف میں چند شعر کہے تھے اور یہ شعر بھی انہیں اشعار میں سے ایک ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

وہ پاکیزہ ہے بادل اس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں وہ یتیموں کا مددگار اور بیواؤں کی پشت وپناہ ہے۔ ابو طالب نے تو استعارہ کے رنگ میں آنحضرتؐ

کی نسبت کہا تھا کہ بادل اس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں مگر صحابہؓ نے دیکھا کہ واقعی آپؐ کی دعائیں ایسی جلدی مستجاب ہوتی ہیں کہ آپؐ ابھی منبر پر ہی تشریف رکھے ہوتے ہیں کہ بارش کے ساتھ پرنالے بہنے لگتے ہیں۔تو ان کو ابوطالب کا یہ شعر یاد آیا اور وہ آپ کی تعریف میں یہ شعر پڑھا کرتے اور حقیقی معنوں میں آپ پر چسپاں کرتے (دیکھو صحیح بخاری ابواب الاستقاء)

پھر ایک اور بڑی عجیب مشابہت یہ ہے کہ جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے قحط کے دنوں میں اپنے بھائی کی طرف رجوع کیا اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر قحط کی مصیبت پڑی ہے اور ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں۔ آپ ہم کو پوری ماپ غلہ مرحمت فرمادیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے'' (12:88)۔اسی طرح شدید قحط کے مصائب سے تنگ آ کر ابوسفیان، جو اس وقت قریش کا سردار تھا، آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا اور عرض کی۔''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم کرتا ہے اور تیری قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مصیبت کو دور کرے'' (صحیح بخاری ابواب الاستقاء) غرض ملک میں قحط کا پڑنا اور لوگوں کا اور خود قریش کا آنحضرتؐ کی طرف رجوع کرنا اور آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنا اور پھر آپ کی دعا کی برکت سے قحط کی مصیبت کا دور ہونا، یہ ایسے امور ہیں جو حضرت یوسفؑ کے حالات سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں۔

پھر جیسا کہ حضرت یوسفؑ ملک مصر میں جا کر جہاں وہ بطور غلام کے بیچے گئے تھے آخر کار ایک نہایت ہی اعلیٰ اور معزز عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ چنانچہ خود ان کے بھائی ان کو **یاایھا العزیز** یعنی اے عزیز مصر کہہ کر پکارتے ہیں۔اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے کل عرب کا بادشاہ بنا دیا۔ چنانچہ جب آپ دس ہزار قدوسیوں کی فوج کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچے تو قریش کا سردار ابوسفیان آپؐ کے جاہ وحشم کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ **لقد اصبح ملک ابن اخیک ملکا عظیما** (مواہب زرقانی جلد ثانی صفحہ 382) تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک نہایت عظیم الشان سلطنت ہے۔

سب سے بڑی عظیم الشان مشابہت جو حضرت یوسفؑ کے حالات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کے درمیان ہے وہ اس وقت پوری ہوئی جبکہ آپؐ فاتح ہو کر شہر مکہ میں داخل ہوئے۔ جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے بھائی کے سامنے طرح طرح کی مخالفتوں اور ناکامیوں کے آخر شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برگزیدہ کر لیا ہے اور ہم خطا کار تھے'' (12:91)۔ایسا ہی جب قریش قریباً 21 سال کی لگاتار اور جان توڑ کوششوں کے بعد آخر عاجز ہو گئے اور آنحضرتؐ مع اپنے دس ہزار مقدس صحابیوںؓ کے شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن قریش سے جواب تک آپ کے خون کے پیاسے رہے تھے) یہ سوال کیا **یامعشر قریش ما ترون انی فاعل فیکم** اے قریش اب تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید کرتے ہو۔انہوں نے جواب دیا **خیرا اخ کریم وابن اخ کریم** ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ کیونکہ آپ ہمارے رحیم کریم بھائی ہیں۔ اور ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ اس وقت آپ نے فرمایا'' اب میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔تم چلے جاؤ میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں'' (12:92)۔یعنی اگر چہ یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح تم نے مجھے نابود کرنا چاہا مگر خدا تعالیٰ نے میری مدد کی اور تم اپنے بدارادوں میں ناکام رہے۔لیکن میں آج تمہیں معاف کرتا ہوں اور تمہارے ظلموں سے درگزر کرتا ہوں اور اگر چہ تم اپنے مظالم کی وجہ سے سزائے قتل کے مستحق ہو مگر میں تمہیں آزاد کرتا ہوں اور جیسا میں تمہارے تصوروں کو معاف کرتا ہوں، ایسا ہی میرا خدا بھی معاف کر دے گا۔ کیونکہ وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا

ہے۔اور اگر اُس نے جنگ کا حکم دیا تھا تو وہ اس لئے دیا تھا کہ تم نے خود پیشدستی کی اور تم نے چاہا کہ تلوار سے مسلمانوں کو نابود کر دیا جاوے۔مگر اب چونکہ تم میں تاب مقابلہ نہیں رہی اس لئے اب تمہیں معاف کیا جاتا ہے اور تمہارے قصوروں سے درگذر کیا جاتا ہے۔اس معافی سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ زیادتی کس فریق کی طرف سے ہوئی۔آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جیسا میرے بھائی حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا، ایسا ہی میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جیسا حضرت یوسفؑ کے بھائی قصوروار تھے، کیونکہ انہوں نے اپنے بھائی کو نابود کرنا چاہا تھا، ایسا ہی قریش قصوروار تھے۔کیونکہ انہوں نے تلوار سے آنحضرتؐ اور آپ کی جماعت کو نابود کرنا چاہا تھا۔آنحضرتؐ اپنی حالت کو حضرت یوسفؑ کی حالت سے مشابہ کرتے ہیں اور قریش کے حالات کو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے حالات سے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں حضرت یوسفؑ کی طرح مظلوم سمجھتے تھے اور قریش کو ظالم۔

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ یوسف کے نازل ہونے کے بعد جو واقعات آنحضرتؐ کو پیش آئے وہ بالکل حضرت یوسفؑ کے واقعات کے مشابہ ہیں۔گویا سورہ یوسف کیا ہے۔آپؐ کے آنے والے واقعات کا نقشہ ہے۔اسی واسطے اس سورہ کے آغاز میں یہ بیان کیا گیا ہے ''حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لئے کئی نشانات ہیں'' (7:12)۔ اب قارئین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان حالات کو کیوں نشانات کہا گیا۔ان کو اس لئے نشانات کہا گیا کہ یہ آنے والے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں۔اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جس قسم کے واقعات حضرت یوسفؑ کو پیش آئے اور جس طرح ان کو آخر کار کامیابی حاصل ہوئی اور ان کے بھائی ان کے آگے ذلیل و ناکام ہوئے اسی طرح اب آنحضرتؐ اور آپؐ کے بھائیوں قریش کا حال ہوگا۔چنانچہ آنے والے واقعات نے اس امر کی تصدیق کی۔اس لئے ہر ایک بات جو اس سورہ شریفہ میں بیان کی گئی ہے وہ ایک پیشگوئی اور ایک نشان ہے۔اس لئے کہ اس سے آنحضرتؐ کی صداقت اور آپ کے دشمنوں کا کاذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں حضرت یوسفؑ کے حالات کی بحث کو ختم کروں میں قارئین کی توجہ کو ایک اور مماثلت کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔اور وہ مماثلت یہ ہے کہ جیسا حضرت یوسفؑ پر جھوٹا الزام لگایا تھا مگر آخر خدا تعالیٰ نے ان کا اس الزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ایسا ہی آنحضرتؐ پر بھی ایک جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اور وہ الزام یہ تھا کہ آپ اپنے دعویٰ میں نعوذ باللہ کاذب ہیں۔مگر خدا تعالیٰ نے آپ کی نصرت پر نصرت کر کے اور آپ کی صداقت کے بہت سے نشانات ظاہر کر کے آپ کا اس جھوٹے الزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔کیونکہ اگر آپ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے تو آپؐ کا وہی انجام ہوتا جو کاذبوں کا انجام ہوتا ہے۔خدا تعالیٰ نے جب سے کہ انبیاءؑ کا سلسلہ قائم کیا ہے اس کا یہ اٹل قانون چلا آیا ہے کہ وہ صادقوں کی تائید کرتا اور ان کو ان کے دشمنوں پر آخر کامیاب کرتا ہے۔ مگر جو جھوٹے طور پر دعویٰ نبوت کرتے ہیں اور جو جھوٹے طور پر کہتے ہیں کہ ہم پر خدا تعالیٰ اپنی وحی نازل کرتا ہے۔حالانکہ خدا تعالیٰ ان پر کوئی وحی نازل نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ ناکام کرتا ہے۔وہ ناکامی اور حسرت کی موت مرتے ہیں اور ان کا خاتمہ دنیا کے لئے ایک عبرت کا مقام ہوتا ہے۔یہ خدا تعالیٰ اس لئے کرتا ہے تا سچوں اور جھوٹوں میں تمیز ہو جائے۔پس اسی قانون کے مطابق خدا تعالیٰ نے اول سے آخر تک آپ کی تائید فرمائی آپؐ کے دشمن باوجود قوت اور طاقت کے آخر کار عاجز آ گئے اور آپ غالب اور کامیاب ہوئے۔اور اس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کے صادق ہونے کی خود گواہی دی اور اپنی گواہی سے آپ کا سچا ہونا ثابت کیا اور آپؐ کو اس جھوٹے الزام سے بری ثابت کر دیا۔آپ کی کامیابی کی آخری سیڑھی فتح مکہ تھی۔جبکہ خدا تعالیٰ نے آپ کے زبردست اور خونی دشمنوں کو ذلیل کر کے آپ کے پاؤں میں گرا دیا اور اپنی کامل تائید اور نصرت سے آپؐ کا سچا ہونا ثابت کر دیا۔اور ان تمام الزامات سے آپ کو بری کر دیا جو آپ پر جھوٹے طور پر لگائے جاتے تھے۔اسی واسطے جب آپ نے دیکھا کہ اب خدا تعالیٰ نے اپنی نصرت میں کمال کر دیا ہے تو آپؐ مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اونٹ پر ہی سجدہ

میں گر پڑے اور اپنے اس خدا کا شکریہ ادا کیا جس نے اس دن پورے طور پر آپ کو کامیابی کی آخر سیڑھی پر پہنچا کر اور آپؐ کے دشمنوں کو کلی طور پر عاجز کر کے آپ کی صداقت کا ایک بے نظیر معجزہ دکھا دیا۔ اور اس طرح ان تمام فرضی گناہوں کو اپنی نصرت کے پانی سے دھو دیا جو اب تک آپ کی طرف منسوب کئے جا چکے تھے۔ یا آئندہ آپ کے بدطینت دشمنوں نے آپ کی طرف منسوب کرنا تھے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ اس فتح کا ذکر کر کے فرماتا ہے: ''ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر عیب تیری طرف منسوب کئے گئے ہیں یا آئندہ منسوب کئے جائیں گے، وہ سب ڈھپ گئے ہیں'' (48:1-2)۔ کیونکہ ایسا شخص جس کو خدا تعالیٰ اس طریق سے اپنی نصرت کے ساتھ مؤید کرے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اور اس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب نہیں ہوسکتا جو جھوٹوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اس فتح کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے تجھ پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔

اب میں ان آیات یعنی نشانات میں سے بعض کا ذکر کر چکا ہوں جو سورہ یوسف میں پائے جاتے ہیں اور جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے حالات میں بہت سے نشانات ہیں'' (12:7)۔ جن سے حق کے طالب فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جن کی نسبت اس سورہ کریمہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اس سورہ میں ایسے واقعات کی خبر دی جاتی ہے جن سے آنحضرتؐ پہلے بے خبر تھے۔ کیونکہ وہ آنے والے واقعات تھے جن کی خبر دی گئی۔ اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ کیوں اس سورہ کریمہ کے مضامین کی نسبت آخر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم بذریعہ وحی قبل از وقت تجھ پر اس سورہ شریفہ کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں'' (12:102)

اصحاب کہف: اب میں ایک اور تذکرہ کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں بطور پیشگوئی کے بیان فرمایا ہے اور وہ اصحاب کہف کا تذکرہ ہے۔ جو سورہ کہف کے ابتدائی حصہ میں مذکور ہے اس سورہ کے پڑھنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بطور پیشگوئی کے نازل ہوئی۔ اصحاب کہف کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا ہے: ''کیا تو گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف اور رقیم ہمارے نشانوں میں سے کوئی عجیب نشان ہیں'' (18:9)۔ ان الفاظ میں صریح طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے اصحاب کہف کا ایک کہف میں پناگزین ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ آپؐ کے لئے بھی مقدر ہے کہ آپ بھی اصحاب کہف کی طرح ایک غار میں پناہ گزین ہوں گے۔ اصحاب کہف کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ لوگ (اصحاب کہف) چند جوان شخص تھے جو اپنے مالک پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا مالک تو وہی ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے۔ ہم تو ہرگز اس کے سوا کسی دوسرے خدا کو پکارنے والے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے بڑی کفر کی بات کہی۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی سند کیوں نہیں لاتے۔ پھر اس سے بڑھ کر کوئی زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے'' (18:13-15) بعینہٖ یہی عقائد اور یہی تعلیم آنحضرتؐ کی تھی۔ اور آنحضرتؐ نے بھی اصحاب کہف کی طرح اٹھ کر کہا کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور آپ نے بھی ان کی طرح جھوٹے معبودوں کی مذمت کی۔ (مطبوعہ در اشاعت 12 نومبر 1942ء)

☆☆☆☆

خطاب، اپیل برائے ڈیم فنڈ و ملک کی سلامتی کے لئے دُعا

برموقع تقریب 14 اگست 2018ء

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ترجمہ: اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے، تمام جہانوں کے رب، بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا، نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔'' (سورۃ الفاتحہ)

آج اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اُس نے آج سے 71 سال پہلے ہمیں ایک آزاد ملک عطا فرمایا جس میں ہم لا الٰہ الا اللّٰہ کا یقین لے کر آگے چلیں اور اس قوم کے بنانے میں اپنے اپنے کردار بھرپور طریقہ سے نبھائیں۔ یہ ملک بن جانے کے بعد ہی ہماری جماعت نے یہ فیصلہ نہ کیا کہ ایک نیا ملک بنا ہے ہم بھی اس میں اپنا حصہ ڈالیں بلکہ یہ ملک بنانے میں اس جماعت کا بہت بڑا کردار ہے۔

محمد علی جناحؒ جب صرف مسٹر جناح کہلاتے تھے اور قائداعظم کا لقب ابھی ان کو نہیں ملا تھا اُس وقت سے اُن کے ہماری جماعت کے ساتھ تعلقات اور مراسم تھے، خاص کر ہمارے امیر اوّل مولانا محمد علیؒ کے ساتھ اسلامیہ کالج میں ایک پارٹی کے دوران اُن کی ملاقات مولانا محمد علیؒ کے ساتھ ہوئی تو انہوں نے ہماری جماعت کا پاکستان کے بننے میں جو کردار رہا اس کی بہت تعریف کی اور پاکستان بننے کے بعد وہ مولانا محمد علی صاحب کے گھر تشریف لے گئے کہ وہ اس جماعت کا ان کے ذریعہ شکریہ ادا کر سکیں کہ انہوں نے ہر موڑ پر اس ملک کے بننے میں اپنی مدد کی۔

قائداعظمؒ اس بات سے متاثر تھے کہ یہ جماعت کسی فرقہ کے خاص نظریہ پر نہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ تعاون کرنے والی، اسلام اور لا الٰہ الا اللہ پر چلنے والی جماعت بھی ہے۔ قائداعظم جدوجہد آزادی کے لیڈر بنے تو انگریز وائس رائے نے انہیں یہ کہا کہ یہ ارادہ آپ چھوڑ دیں کہ اس میں فائدہ نہیں۔ اُس وقت آپ نے ''دی لائٹ میگزین' THE LIGHT' کا وہ شمارہ جس کا اداریہ مولانا یعقوب خان صاحب نے تحریر کیا تھا وائس رائے کو بھجوایا جس کے پڑھنے کے بعد وائس رائے نے کہا کہ میں اب پوری طرح سمجھ گیا ہوں کہ یہ دوملکی نظریہ کیوں ضروری ہے۔

اس وقت سے لے کر آج دن تک چاہے ہماری جماعت پر جو بھی حالات آئے ہم نے اپنے ملک کے ساتھ وفاداری دکھائی اور انشاء اللہ آنے والی تمام نسلیں پاکستان کے ساتھ وفادار رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ جیسے بھی حالات ہوں ان میں ہمیں اس ملک کا وفادار بنائے رکھے اور بظاہر جو آزمائشیں ہماری جماعت کو پیش آتی رہتی ہیں ان میں ہمیں ثابت قدم رکھے۔ ہم نے اپنے دل سے اس قوم کو آگے لے کر چلنا ہے۔ ہم پاکستان میں ڈیم بننے کے منصوبہ پر دل و جان سے اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہیں۔ یہ ہمارا ملک ہے، اس کا نقصان اور فائدہ ہمارا فائدہ اور نقصان ہے اور ہم دل و جان سے اس کے ہر منصوبہ میں اپنا فرض جیسے کہ ہمارے امیر اوّل نے نبھایا، انشاء اللہ نبھائیں گے۔

جو ڈیم کے فنڈ کی اپیل تھی اس کو ہماری جماعت نے بھی آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے اور میں تمام بہنوں اور بھائیوں سے یہ درخواست کروں گا کہ اس عطیہ میں وہ جماعت کے فنڈ میں اپنا اپنا حصہ ڈالیں کیونکہ پاکستان کو کل کو کوئی مسئلہ پانی کی وجہ سے آتا ہے تو وہ تمام پاکستانیوں کا مسئلہ ہوگا جس میں ہم بھی شامل ہیں۔ پاکستان ہمارا ملک ہے اور اس کے ہر منصوبہ میں ہم بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

یہ اپیل آج میں پہلی مرتبہ اپنے یوم آزادی کے دن کرتا ہوں کہ جتنے لوگ یہاں تقریب یومِ آزادی میں موجود ہیں وہ اس نیک کام اور پاکستان کی حفاظت کے ہر منصوبہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تا کہ جماعت مجموعی طور پر وہ فنڈ بینکوں میں اپنی جماعت کے نام سے جمع کرواسکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور جب یہ اپیل پیغام صلح میں چھپے تو میں پُر امید ہوں کہ تمام احباب جماعت کو چاہیے کہ دنیا میں جہاں بھی ہوں وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ میں اظہر الدین جو ہمارے بزرگ فخر الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں اور ووکنگ میں مقیم ہیں کے جذبہ کی قدر کرتا ہوں کہ سب سے پہلے انہوں نے مجھے ایک مراسلہ کے ذریعہ اس اپیل کی طرف توجہ دلائی اور انہوں نے 50 ہزار روپے پیش کئے۔ اس لئے میں **آپ سب سے امید کرتا ہوں کہ اور جہاں جہاں میرا یہ پیغام پہنچے تمام احباب پاکستان کی ہر دم مدد کرنے کو ہمیشہ ہمیشہ تیار رہیں۔**

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو جہاں پر آزادی ملی ہے اس کے ہر فرد کو آزادی دے کہ قائداعظم کے فرمان کے مطابق وہ اپنی اپنی عبادت گاہوں میں اپنے اپنے طریقہ سے عبادات کریں۔ ان کو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہو۔ یہ آزادی اس ملک میں سب کا حق ہے اور میں **امید کرتا ہوں کہ جو نئے پاکستان کا نعرہ بلند ہو رہا ہے اس پاکستان میں ہر ایک مکتبہ فکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملک میں ایک آزادی کا ماحول ملے۔**

میں تمام پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اس ملک کو سب کا ملک سمجھا جائے اور اس میں سب کو آزادی حاصل ہو کیونکہ پاکستان کی آزادی صرف ایک طبقہ کی آزادی کا نام نہیں بلکہ تمام لوگوں کی آزادی کا نام ہے۔ ہر ایک کو آزاد رہنے کا حق ہے۔ اُس آزادی کے لئے ہم سب دعا گو ہیں۔

دُعا

اللہ تعالیٰ اس پیارے ملک پاکستان کو ہمیشہ قائم رکھ، اس کو آزاد رکھ، اس کو اندرونی و بیرونی طاقتوں سے جو خطرے درپیش رہتے ہیں ان سے محفوظ رکھ، اللہ تعالیٰ اس کو اسلام اور آزادی دین کا ملک بنا، ہر ایک مکتبہ فکر کے لئے یہ ملک آزادی کا ملک بنے، اس کی لیڈر شپ کو وہ راہ دکھا جس پر چل کر وہ اس ملک کو کامیابی کی طرف لے کر چلیں۔ اور اس کو امن کے دن دیکھنے نصیب ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ملک میں امن دے، ہمیں حفاظت دے اور ہمارے بچوں کو آزاد پاکستانی کی حیثیت سے بڑا کر۔ اے رب العالمین اس ملک کے لوگ پھر سے دنیا میں فخر سے سر اُٹھا کر چلنے والے بن سکیں اور نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اپنا اپنا کردار ادا کرنے میں کامیاب رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم اس ملک کو اللہ کے فرمان کے مطابق، قرآن کریم کے احکامات کے مطابق، رسول کریم صلعم کے نمونہ کے مطابق چلائیں اور ہر پاکستانی کو دل سے پاکستان کے لئے فدا ہونے والا، پاکستان کو عزت دینے والا پاکستانی بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کو نمازیں ادا کرنے والا اور قرآن کی روشنی پھیلانے والا ملک بنائے اور تمام پاکستانی ایک باہمی محبت کرنے والے خاندان کی طرح امن سے اس ملک میں رہیں اور اس کی ترقی میں لگن سے اپنا کردار ادا کریں۔ آمین

☆☆☆☆

ایک احمدی کی چند نمایاں خصوصیات

لیکچر بر موقع سالانہ تربیتی کورس 2018ء

صفیہ سعید صاحبہ

ایک احمدی کی خصوصیات کو سمجھنے کے لئے لفظ 'حمد' اور 'احمد' کا سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ لفظ 'احمد' ہی میں ایک 'احمدی' کی خصوصیات پوشیدہ ہیں۔

حمد: وہ تعریف ہے جو فضیلت کی وجہ سے کی جاتی ہے یعنی اُن خوبیوں کی وجہ سے جو دوسرے کو مسخر کر لیتی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اللہ کی حمد سے بھرا ہوا تھا۔

احمد۔ اسی حمد کی وجہ سے جو آپ نے سب انبیاء سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کی۔ آپ ﷺ کا نام احمد ہوا (یعنی سب سے زیادہ حمد کرنے والا)

حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جلالی نام محمد ﷺ کی بجائے آپ ﷺ کے جمالی نام احمد کو پسند فرمایا۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جس زمانے میں اور وقت کے لئے حضرت مرزا غلام احمدؒ کو مجدد مقرر فرمایا گیا، اس میں جمالی طرز کی زندگی کو اپنانے کی ضرورت ہے اور اسم احمد کا نمونہ ظاہر کرنے کا وقت ہے۔ یعنی جمالی طور پر دین کی خدمات انجام دینے کے ایام ہیں اور اخلاقی کمالات ظاہر کرنے کا زمانہ ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا 13 سال کا مکی دور اسمِ احمد کا مظہر تھا۔ آپ کے ماننے والوں کو سخت اذیتیں دی جاتی تھیں اور اُن پر تشدد کیا جاتا تھا۔ آپ کے مخالفین آپ کو صادق اور امین جانتے تھے مگر ان کی مخالفت کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ مغرور اور متکبر تھے اور حد درجہ کی ہٹ دھرمی پر اُتر آئے تھے۔ اُن کو اپنے سامنے ایک ایسی قوم اُبھرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ جس نے غریب اور امیر کو ایک صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ جو اُن کے تکبر کے خلاف تھا۔ اُن کی جاہلانہ رسوم اور برتری خطرے میں تھی۔ کچھ ایسے ہی خطرات حضرت مسیح موعودؒ کی جماعت سے دورِ حاضر کے علماء اور مشائخ کو نظر آ رہے تھے اُن کے جاہلانہ عقائد اور تہمات پر قائم کاروبار کو خطرہ لاحق تھا۔

سو حضرت مسیح موعودؒ اور اُن کی جماعت کو آزمائشوں میں سے گذرنا پڑا۔ اگر حضرت محمد صلعم کے مکی دور میں مسلمانوں کو گرم ریت پر لٹایا گیا۔ پیٹ پر پتھر کی سلیب رکھی گئیں۔ بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا گیا، بائیکاٹ ہوا، تو کچھ ایسا ہی عالم مسیح موعود کے پیروکاروں سے بھی ہوا۔ قید و بند، سنگساری اور بائیکاٹ کا سامنا احمدیوں کو بھی کرنا پڑا اور پڑ رہا ہے۔ اور نبی صلعم اور صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر ہجرت بھی کرنا پڑی تو احمدیوں نے بخوشی قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اور رب العالمین ماننے والے صرف اس کی ذات پر بھروسہ رکھتے تھے اور حضرت محمد صلعم سے پیار کرتے تھے اور احمدی بھی اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اور رب العالمین مانتے ہیں اور اُس کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''کہہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔'' (سورۃ آل عمران آیت 31)

صحابہ کرامؓ کی محبت کا مرکز صرف اللہ کی ذات تھی۔ نہ دنیا اُن سے محبت کرتی تھی اور نہ اُن کو دنیا سے پیار تھا۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء سلسلہ احمدیہ کو قائم کرنے کا یہی ہے کہ لوگ پھر اُسی راہ پر چلنے لگیں اور وہی خوبصورت معاشرہ قائم ہو جائے۔ سو حضرت مسیح موعودؒ کو اللہ تعالیٰ نے پھر اُسی شان و شوکت اور باکردار انسانوں کا معاشرہ پیدا کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے۔ اور حقیقتاً حضرت صاحب نے وہ معاشرہ پیدا کیا کہ اس میں علامہ اقبال جیسی ہستی نے اعتراف کیا کہ:

''اگر ٹھیٹھ اسلامی معاشرہ دیکھنا ہو تو قادیان میں جا کر دیکھو''

ایک اچھا احمدی اپنی عبادات و معاملات ہر دور میں ایک نمایاں کردار رکھتا ہے۔

عبادات

عموماً عبادات سے مراد صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی تک محدود لیا جاتا ہے لیکن درحقیقت جب ایک تعبد کے مفہوم پر غور کیا جائے اور اپنے آپ کو ایک عبد یعنی غلام مان کر چلیں تو ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے آقا کی رضا کے لئے صرف ہوگا۔ اور ہر قدم اُس کے حکم کی بجا آوری کے لئے اٹھے گا۔ چاہے یہ معاملات عبادات کے متعلق ہوں یا سماجی اور معاشرتی زندگی بسر کرنے کے لئے ہوں۔ اپنے رب اور مالک کی رضا جاننے کا، اُس کے احکام کو ماننے کا یا کسی کام سے رُک جانے کا حکم معلوم کرنے کے لئے بہترین رہنما قرآن پاک ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام، قرآن کے ایک ایک نقطہ پر عمل کرو اور کسی ایک حکم کو چاہے وہ کام کسی کام کرنے کا ہو یا کسی کام سے رُک جانے کا قابلِ عمل سمجھو۔

ایک احمدی کی نماز

احمدیوں کی نماز، وہی نماز ہے جو عام تمام مسلمانوں کی ہے مگر اس میں ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ احمدی کی نماز میں ایک سکون اور ایک توازن ہوتا ہے۔ اُس کی ادائیگی نماز میں اُس کی روح شامل ہوتی ہے جو خود اُن کے دلوں پر ہی اثر نہیں ڈالتی بلکہ دوسرے بھی اس سے اثر قبول کرتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کی ادائیگی کو ہم میں سے کچھ نے اپنے بزرگوں میں دیکھا ہوگا۔ اگر آج ہمیں کہیں کمی نظر آتی ہو تو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مجھے مولانا محمد علیؒ اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی اقتداء میں تو نماز ادا کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی البتہ مولانا صدر الدینؒ اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ فجر کی نماز میں کم از کم ہر رکعت میں دو رکوع، تلاوت فرماتے تھے اور اگر کسی وقت کچھ کم ہو تو نماز پڑھنے والوں کو تشنگی کا احساس ہوتا تھا۔ ایسی ہی نمازیں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ دیکھنے والے پہچان جاتے ہیں کہ یہ نمازی 'احمدی' ہے۔

ایک واقعہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف جہلم میں تعینات تھے۔ آپ کی رہائش گاہ کے ساتھ ایک انگریز اسسٹنٹ کمشنر کا بنگلہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا معمول تھا کہ فجر کی اذان گھر سے باہر لان میں دیتے اور وہیں پر جماعت کرواتے۔ اے سی صاحب کے استفسار پر انہیں بتایا گیا کہ یہ آواز کیا ہے۔ وہ ایک مقناطیسی کشش کی طرح ہر فجر کو ڈاکٹر صاحب کے لان کی طرف کھچا چلا آتا اور کرسی پر اُس وقت تک بیٹھا رہتا جب تک جماعت ہو نہ جاتی۔

نماز باجماعت

ایک احمدی نماز باجماعت کا اہتمام کرنا ضروری جانتا ہے۔ باجماعت نماز کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ میل جول سے بھی ایک دوسرے سے اخلاق و تہذیب سیکھنے کا موقع ہوتا ہے اور تعلقات بھی قائم ہوتے ہیں۔ چاہیے کہ نماز کے بعد نمازی مسجد میں توقف کریں اور ایک دوسرے سے مختصر طور پر مل جل لیں۔

دُعا اور قبولیت دُعا پر یقین

احمدی کا اپنے پروردگار سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ وہ اُسی سے مانگتا ہے اور اُسی سے پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سمیع اور بصیر مانتا ہے یعنی سننے والا اور دیکھنے والا۔ اور اُسے یقین ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کی دُعا سنے گا اور قبول فرمائے گا۔ قبولیت دعا کے ہزاروں نظارے اس جماعت نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ لاہور احمدیہ جماعت کے بہت سے ایسے بزرگ گزرے ہیں اور موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دُعاؤں کے جواب پاتے ہیں۔ ملک سعید احمد صاحب قبولیت دعا کے گواہ ہم میں موجود ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کو دُعا کے خاص آداب سکھائے ہیں۔ نماز کی مختلف حالتوں میں اپنی زبان میں دُعا کی الگ ہی تاثیر اور لطف ہوتا ہے۔ مقررہ تسبیحات کے علاوہ رکوع، سجدہ اور قعدہ میں اپنی زبان میں دعائیں مانگیں تو دل میں خاص درد پیدا ہوتا ہے۔ عام طور پر اگر ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی جائے تو وہ بھی خاص اہتمام والتزام سے، ابتداء میں الفاتحہ اور درود شریف اور اختتام پر آمین۔

جماعت احمدیہ کا اجتماعی دُعا پر بہت یقین ہے اور اس کی قبولیت کے کئی واقعات ہماری زندگیوں میں گزرے ہیں اور گزرتے ہیں۔

قرآنِ پاک سے محبت

ایک احمدی کا قرآن سے لگاؤ اور لگن علامہ اقبال کے ایک مصرع کی تصویر ہے۔

قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

یعنی احمدی نہ صرف قرآن سے محبت کرتا اور اُسے پڑھتا ہے بلکہ اُسے اپنا دستورِ عمل بنالیتا ہے اور قرآن کی اشاعت کو اپنا اولین فریضہ سمجھتا ہے۔ احمدیہ انجمن کا درسوں کا اہتمام اپنی جگہ ایک اولیت کی مثال ہے۔ درسِ قرآن کو اس جماعت ہی نے رائج کیا۔ احمدی بزرگ جہاں کہیں بھی ہوتے۔ درس کا سلسلہ قائم کر دیتے تو لوگ خود اُن کی طرف کھچے چلے آتے۔ احمدیہ بلڈنگس بھی مولانا محمد علیؒ کے درس اور مولانا صدر الدین کے درسوں نے ایک دنیا کو متاثر کیا۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، میاں نصیر احمد فاروقی صاحب اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا اپنی ملازمت کے سلسلہ میں جہاں بھی تبادلہ ہوا، وہاں درس کا سلسلہ قائم کیا۔ اسی طرح قرآن اپنی تاثیر سے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرسکتا ہے اور انسانوں کے دِل تو موم ہو ہی جاتے ہیں۔ جہاں بھی درس کا سلسلہ قائم ہو اور ہونا چاہیے۔ ایک احمدی کا فرض ہے کہ اس میں شامل ہو۔ کون جانے کب، کس کی کہی ہوئی بات زندگی کو ہی بدل کر رکھ دے۔ وہی آیات سو دفعہ پڑھ رکھی ہوں، ہزار بار سنی ہوں، مگر پھر بھی اس سے کوئی نہ کوئی تاثیر دل پر مرتب ضرور ہوگی۔ ایسی محفل میں شامل ہونا ایک سعادت اور برکت کا موجب ہے اور اس سے گریز یا قرآن کی محفل کو دنیاوی کاموں کے لئے چھوڑ کر جانا ادب کے خلاف ہے۔

تعلیم حاصل کرنے کا شوق اور لگن

احمدی صرف عبادت کو ہی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ علم حاصل کرنا بھی اُن کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔ علم ہی اخلاق کی تربیت کرتا ہے اور ایک انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتا اور ہر احمدی اپنی ذات میں دین کا مبلغ ہے۔

ایک احمدی دین بھی سیکھتا ہے اور دنیاوی تعلیم بھی حاصل کرتا ہے کیونکہ اُس سے انسان کا معاش وابستہ ہے مگر حقیقی احمدی کو ہمیشہ یہ یاد رہتا ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر چکا ہے، سو حتی الوسع چاہے وہ اُستاد بن جائے، ڈاکٹر، انجینئر یا کمپیوٹر کا ماہر، وہ اپنے اس علم کو جماعت کے کاموں کے لئے اور جماعت کو فائدہ پہنچانے کے لئے بھی استعمال کرتا ہے۔

سادہ طرزِ زندگی

ایک احمدی اپنی روزمرہ کی زندگی میں سادگی کو مدِ نظر رکھتا ہے۔ سادہ لباس، سادہ غذا، سادہ رہن سہن اختیار کر کے اپنے مال کو رسم و رواج اور نمائش پر خرچ کرنے کی بجائے اشاعتِ دین کے خوبصورت کام اور اپنی جماعت کی بہتری اور ترقی کے لئے خرچ کرتا ہے۔ مہمان نوازی اور تقریبات پر بھی اسراف سے گریز کرتا ہے۔

صداقت اور دیانت

سچائی کا دامن نہ چھوڑنا، حق کا ساتھ دینا اور معاملات میں دیانتداری برتنا ایک احمدی کی خصوصیات میں بہت نمایاں ہے۔ ایک احمدی کاروبار کرتا ہو، ملازمت پیشہ ہو، سرکاری افسر ہو، منصف ہو، فوجی ہو یا پولیس افسر ہو، وہ قابلِ اعتماد اور دیانت دار مانا جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہماری جماعت کے افراد جس بھی پیشہ سے منسلک رہے ہیں یا ہیں وہ اپنے فرائض کو ایک عبادت کی طرح نبھاتے ہیں اگر ان معاملات میں کسی سے کوئی کوتاہی ہو رہی ہے تو اُسے اپنا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کی ضرورت ہو تو ضرور کریں تاکہ وہ احمدی کہلا کر شرمندگی کا شکار نہ ہو۔ ماضی کے واقعات پر غور کریں تو یہی نظر آتا ہے کہ عوام اور افسرانِ بالا، احمدیوں کو صادق اور امین مانتے تھے۔ حضرت صاحب کی زندگی کے واقعات میں سے یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک مقدمے میں اپنے والد کے خلاف بطورِ گواہ پیش ہوئے۔ حضرت صاحب تو خدا کے مامور تھے، مگر آپ کے رفقاء اور ماننے والے بھی اسی قسم کے جرأت اور صداقت پر قائم تھے۔ سیالکوٹ کے ایک احمدی بزرگ اپنے بیٹے پر قتل کے مقدمے میں واحد چشم دید گواہ تھے۔ اُن کی اس گواہی اور اُن کی صداقت کی بنا پر شہر کے لوگوں نے مقتول کے ورثاء کو خون بہا لینے پر راضی کرلیا۔ انہوں نے ایک بھاری رقم خون بہا میں ادا کرنے کے بعد اُس خاندان کی کفالت کی اور اس کے بچوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ متعدد دیگر واقعات ہیں کہ ایک احمدی گواہ پیش ہوا تو مجسٹریٹ نے مزید گواہوں کو بلانا ضروری نہیں سمجھا۔

قوتِ برداشت اور رواداری

قوتِ برداشت اور رواداری جیسی صفات ہمیشہ ہی ایک اچھی شخصیت کا حصہ

رہی ہیں مگر حال میں ہماری جماعت بلکہ پورے ملک میں افراتفری ، سماجی ناانصافیوں، باہمی حسد وبغض، مال وزر کی ہوس اور دوسروں کو نیچا دکھانے کی آرزو سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا ہے کہ قوتِ برداشت اور رواداری کی ساری روائتیں مفقود ہوگئی ہیں ۔ اپنے اندر قوت برداشت پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گالی گلوچ ، مار پیٹ اپنی برتری قائم کرنے کے لئے کسی کو ذلیل کرنا ایک احمدی کو زیب نہیں دیتا ۔ راواداری کی ضرورت نہ صرف اپنوں کے لئے ہے بلکہ ہر قوم کے ساتھ رواداری برتنا ضروری ہے چاہے اُس کا تعلق کسی بھی قوم یا فرقے سے ہو۔

لاتعداد خصوصیات میں سے جو اُس جماعت کے افراد میں تھیں جو امامِ وقت کے فیض سے فیض یاب ہوئے ۔ چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے آخر میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ''اربعین'' سے کچھ نکات بطور خلاصہ پیش ہیں ۔ یہ وہ نصیحتیں ہیں جو حضرت صاحب نے اپنی جماعت کو کیں اور آپؑ کی تمنا تھی کہ ہر احمدی ان نصائح پر عمل کر کے اپنے کردار کو درست کرے ۔ آپؑ نے تحریر فرمایا:

(۱): احمدی نام رسول اللہ صلعم کے نام احمد پر رکھا ہے ۔تم اسم احمد کے مظہر ہو۔ سو چاہیے کہ دن رات خدا کی حمد وثنا تمہارا کام ہو۔ اور حالت جو احمدی ہونے کے لازم ہے اپنے اندر پیدا کرو۔ کسی کی تعریف کرنے کے لئے لازم ہے کہ اس کی تعریف اپنے وجود میں بھی پیدا کی جائے ۔ اس لئے اپنے اندر اپنے سے کمزوروں کی ربوبیت کا جذبہ پیدا کرو۔

(۲) تم شانِ احمدیت کے ظاہر کرنے والے ہو لہذا اپنے ہر ایک بے جا جوش پر موت وارد کرو۔

(۳) ایمان کو درست کرو۔ دل پاک کرو اور اپنے مولیٰ کو راضی کرو۔

(۴) اس زمانے کے زہریلے اثر سے بچو۔

(۵) کینہ اور بغض سے پاک ہو جاؤ۔

(۶) اپنی اخلاقی حالتوں کو صاف رکھو۔

(۷) مخلوق کے ہمدرد ہو جاؤ اور کوئی فریب اور دھوکہ تمہاری طبیعت میں نہ ہو۔

اپیل دستکاری

ہر سال مرکز میں تنظیم خواتین کے زیر اہتمام نہایت خوبصورت دستکاری کی نمائش کی جاتی ہے۔ ان اشیاء کی فروخت سے ملنے والی رقم جماعت کی صوابدید پر دینی اور فلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔

حسب معمول گزشتہ سال بھی دستکاری کی نمائش میں رکھی گئی اشیاء بہت خوبصورت اور بیش قیمت تھیں۔ جس کی وجہ سے نمائش نہایت کامیاب اور قابلِ تحسین رہی اور ایک خطیر رقم اکٹھی ہوگئی۔ یہ کامیابی ہماری قابلِ فخر لائق احمدی بہنوں اور بچیوں کے تعاون اور محنت سے ممکن ہوئی۔ اُمید ہے کہ اس سال بھی آپ دستکاری کی اشیاء بنانے میں مصروف ہوں گی۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ دستکاری کی اس سال 2018ء کی نمائش کو بھی گزشتہ سالوں سے زیادہ بڑھ چڑھ کر کامیاب بنائیں ۔ آپ خود بھی حصہ لیں ، اپنی بچیوں اور بہنوں کو بھی شامل کریں۔

شکریہ

آپ کے تعاون کی منتظر

بشریٰ علوی

انچارج دستکاری

اخلاق حسنہ کا اختیار کرنا اور اخلاق شنیعہ سے بچنا معاشرہ کی ترقی کا ذریعہ

فضل حق (اسسٹنٹ سیکرٹری II)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے بچو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے بُرا کہو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ رجوع برحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے''۔ (سورۃ الحجرات:12)

انسان ایسی مخلوق ہے جس کے اندر دو قسم کے اخلاق پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک اخلاق حسنہ ہیں۔ جن کے کرنے سے انسان ملائے اعلیٰ تک پہنچ سکتا ہے جبکہ دوسرے اخلاق شنیعہ ہیں جن کا دامن پکڑنے سے یہ حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

اخلاق حسنہ دراصل اپنے اندر متعدد پاک اور منزہ خواص اور صفات کا پیدا کرنا ہے۔ مثلاً خلوص، عفو، رحمدلی، درگذر، دوسروں کی عزتِ نفس کا خیال، نرم مزاجی، جرأت، استقامت، صبر، انصاف، ضبطِ نفس، قناعت، خوش مزاجی، مہمان نوازی، محبت اور احسان مندی وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بہت سی خوبیاں ہیں جو اس فہرست میں جگہ پا سکتی ہیں۔ اخلاق شنیعہ ان صفات کے مخالف اور متضاد صفات کا نام ہے۔ قرآن مجید کا مقصد ہی اخلاق شنیعہ سے روک کر انسان کو اخلاق حسنہ کا مالک بنانا ہے۔ قرآن کی روشنی میں اخلاق حسنہ کو اپنے اندر پیدا کرنا ہی ایک مومن کی زندگی کا نصب العین ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اخلاق شنیعہ سے چھٹکارا پایا جائے۔ اخلاق شنیعہ کے بارے میں ایک بات یاد رکھیں کہ یہ اخلاق نہ صرف فرد کی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ معاشرہ کے لئے بھی انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ آیت زیر بحث میں تین قسم کے اخلاق شنیعہ بیان کیے گئے ہیں جو کہ معاشرہ کے بگاڑ کا اصل سبب بنتے ہیں۔ اگر ان تین روحانی کمزوریوں پر قابو نہ کیا جائے تو ایک امن والا معاشرہ بھی آگ کے دہانے پر آ کر کھڑا ہوتا ہے۔ بعض برائیاں جو بظاہر چھوٹی لیکن باطن کے اعتبار سے بڑی ہوتی ہیں۔ یہ انسان کے خود اپنے دل کو ایسے روگ میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ وہ انسان کو تقویٰ سے دور کر دیتی ہیں۔ اس وجہ سے جن کو ایمان عزیز ہو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آفتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

بدگمانی:

پہلی بات یہ اشارہ ہوئی کہ کثرت گمان سے بچو! کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ یہاں کثرت گمان سے روکا گیا ہے اور اس کے لئے عربی کا لفظ ''الظن'' استعمال کیا گیا ہے اور یہ اچھے اور بُرے دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سوء الظن استعمال نہیں کیا بلکہ ''ظن'' استعمال کیا تا کہ بدگمانی سے روکنے کے ساتھ ساتھ کثرت گمان سے بھی روکا جا سکے۔ یعنی خواہ مخواہ دوسرے لوگوں کے متعلق گمان نہ گھڑتا رہے یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے'' انسان اپنے دل کو دوسروں سے متعلق بدگمانیوں کی پرورش گاہ نہ بنالے کہ جس کی نسبت جو برا گمان بھی دل میں پیدا ہو جائے اس کو کسی گوشے میں محفوظ کر لے۔ انسان کو جن سے زندگی میں واسطہ پڑتا ہے ان کی بابت کوئی اچھا یا بُرا گمان دل میں پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہی گمان آدمی کو آدمی سے جوڑتا ہے یا توڑتا ہے۔ اہل ایمان کو اسلام نے یہ رہنمائی دی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے بارے میں ہمیشہ نیک گمان رکھے۔ سوائے اس کے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس نیک گمان کا سزاوار نہیں

ہے۔ یہ نیک گمانی اس ایمانی اخوت کا لازمی تقاضا ہے جس پر اسلام نے معاشرے کی بنیاد رکھی ہے قرآن نے یہاں اسی خطرے سے مسلمانوں کو روکا ہے کہ گمانوں کے زیادہ درپے نہ ہو کیونکہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں جو انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ ایک مومن کو بدگمانیوں کا مریض نہیں بن جانا چاہیے بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔لوگوں کے بارے میں اسے ان ہی کے عمل ونظریہ کی بنیاد پر رائے بنانی چاہیے۔اور سنی سنائی اور اپنے بے بنیاد خیالات پر رائے قائم نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ باتیں اور خیالات درست بھی ہوسکتے ہیں اور غلط بھی۔اگر کسی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو بدگمانی پیدا کرنے والی ہو تو حتی الامکان اس کی اچھی توجیہ کرے اگر کوئی اچھی توجیہ نکل سکتی ہو۔اس کے بُرے پہلو کو اس شکل میں اختیار کرنا جائز ہے جب اس کی کوئی اچھی توجیہ نہ نکل سکے۔

و لا تجسسوا ''بھید نہ ٹٹولو''

جس طرح اوپر والے ٹکڑے میں اچھے گمان سے نہیں بلکہ بُرے گمان سے روکا گیا ہے اسی طرح یہاں ممانعت اس ٹوہ میں لگنے کی ہے جو بُرے مقصد سے ہو۔یعنی تلاش اس بات کی ہو کہ دوسروں کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق کوئی بات ہاتھ آئے جس سے اس کی خامیوں سے آگاہی اور اس کے اندرون خانہ کے اسرار تک رسائی ہو۔یہ چیز کبھی تو حسد کے جذبہ سے پیدا ہوتی ہے کہ حریف کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو سامنے آئے جس سے کلیجہ ٹھنڈا ہو۔کبھی بغض وعناد کی شدت اس کا باعث ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگے جس کی عند الضرورت تشہیر کر کے مخالف کو رسوا کیا جا سکے۔اس طرح کا تجسس ظاہر ہے کہ اس اخوت اور باہمی ہمدردی کے بالکل منافی ہے جو اسلامی معاشرہ کی اساس ہے،اس وجہ سے اہل ایمان کو اس سے روکا گیا ہے۔رہا وہ تجسس جو ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے حالات کا اس مقصد سے کرتا ہے کہ اس کی مشکلات و ضروریات میں اس کا ہاتھ بٹائیں یا ایک اسلامی حکومت اس غرض سے کرتی ہے کہ رعایا کے حالات سے پوری طرح باخبر رہے تو یہ تجسس نہ یہاں زیر بحث ہے اور نہ یہ ممنوع ہے بلکہ ہر شریف پڑوسی کے لئے یہ نہایت نیکی کا کام ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے حالات ومسائل سے آگاہ رہے تا کہ ان کی مشکلات میں ان کی مدد کر سکے اور خدمت کے لئے تو یہ صرف نیکی ہی نہیں بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ رعایا کے اچھے اور بُرے دونوں طرح کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنے کا اہتمام رکھے تا کہ اپنی ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہوسکے۔

غیبت:

غیبت کبیرہ گناہوں میں ایک گناہ ہے دیگر بڑے گناہوں کے برخلاف یہ گناہ بہت عام ہے اور اس میں ہر دوسرا شخص نظر آتا ہے۔غیبت کے معنی ہیں ''کسی شخص کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہنا جس سے اس کی پردہ دری یا تحقیر ہو'' غیبت کرنے والا چاہتا ہے کہ اس کے اس فعل کی خبر اس کو نہ ہو جس کی وہ بُرائی بیان کر رہا ہے۔اسی خواہش کی بنا پر وہ یہ کام اس کے پیٹھ پیچھے صرف ان لوگوں کے سامنے کرتا ہے جو یا تو اس کے ہم راز وہم خیال اور شریک مقصد ہوتے ہیں یا کم از کم ان سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ہمدرد ہوں گے جس کی وہ برائی بیان کر رہا ہے اور اس کے سامنے یہ راز فاش کر دیں گے۔ غیبت کی یہی خصوصیت اس کو ایک نہایت مکروہ اور گھنونا فعل بناتی ہے اس لئے کہ اس سے نہ کسی حق کی حمیت وحمایت کا مقصد حاصل ہوتا نہ کسی اصلاح کی توقع ہوسکتی ہے بلکہ اس طرح ایک بزدل شخص کسی کے خلاف صرف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔

غیبت کے گھنونے پن کی مثال

ایحب احد کم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکر ھتموہ ۔یہ غیبت کے گھنونے پن کو مثال سے واضح فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی،اس کے پیٹھ پیچھے،برائی بیان کرتا ہے وہ گویا اس حال میں اس کا گوشت کھا رہا ہے جب کہ وہ مردہ پڑا اور اپنی مدافعت سے بالکل قاصر ہے فرمایا کہ یہ چیز تو ایسی ہے کہ

تم میں سے کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرتا۔ تو جب تم اس کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتو اسی طرح کی مکروہ چیز، غیبت کو کیوں گوارا کرو!

توبہ واصلاح کی ترغیب

واتقوا اللہ ان اللہ تواب الرحیم۔ یہ تنبیہ بھی ہے اور توبہ واصلاح حال کی ترغیب بھی۔ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ جو لوگ اس طرح اپنے بھائیوں کو گوشت مفت میں کھانے کے عادی ہوجاتے ہیں ان کو اس کی ایسی چاٹ پڑ جاتی ہے کہ وہ اس کے پیچھے اپنا ایمان ہی گنوا بیٹھتے ہیں۔ اللہ نے تمہیں بروقت تنبیہہ فرما دی ہے تا کہ توبہ اور اصلاح کر کے اپنے آپ کو اس خطرہ سے محفوظ کرلو۔ اگر تم نے توبہ کرلی تو اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جو اس کو ناپسند ہو (یہی غیبت ہے)، کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو جو میں بیان کر رہا ہوں (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہوگی جب کہ وہ برائی اس میں موجود ہو اور اگر اس میں وہ برائی نہیں (جو تم نے بیان کی) تو پھر یہ تو بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)''۔ (مسلم)

اصلاح معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ ان اور ان جیسے دوسرے اخلاق شنیعہ سے بچنے اور اخلاق حسنہ کو اپنانے کی کوشش کی جائے۔ اس سے نہ صرف ہمارا معاشرہ ہی بہتر ہوگا بلکہ ہماری آخرت بھی سنور جائے گی۔

☆☆☆☆

تقریب یوم آزادی پاکستان

مرکزی انجمن کے زیر اہتمام مورخہ 14 اگست 2018ء بروز سوموار بوقت 8:00 بجے صبح جامع دارالسلام کے سامنے یوم آزادی کے حوالے سے ایک تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں احباب جماعت کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے پرچم کشائی کی۔

اس موقع پر شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے ایک پروگرام کا اہتمام بھی کیا جس میں شبان اور بنات الاحمدیہ نے یوم آزادی کے حوالے سے تقاریر کر کے تمام احباب کو پیغامات پہنچائے۔ بچوں نے قومی ترانہ اور ملی نغمے بھی پڑھ کر سنائے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اپنے اختتامی کلمات میں تمام احباب جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ملک کو بنانے میں ہماری جماعت کا بہت بڑا کردار ہے اور قیام پاکستان سے لے کر آج تک جو بھی حالات آئے ہماری جماعت نے اپنے ملک کے ساتھ وفاداری دکھائی اور انشاء اللہ ہماری آنے والی تمام نسلیں پاکستان کے ساتھ وفادار رہیں گی۔ اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان میں ڈیم بننے کے منصوبہ پر دل و جان سے اپنی جماعت کی حمایت کا اعلان کیا اور احباب جماعت کو ملک وقوم کو درپیش حالات سے نجات کے لئے دعائیں کرنے کی نصیحت فرمائی۔

تقریب کے اختتام پر حضرت امیر قوم نے دعا فرمائی اور حاضرین کی خدمت میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔

انتخاب از: قاری فضل الٰہی

حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں جماعت احمدیہ لاہور کا حصہ

(پیغامِ صلح ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء)

پاکستان ایک خواب تھا جو جناب محمد علی جناحؒ نے دیکھا اور لاہور کے جلسہ مسلم لیگ میں بیان کیا، اس وقت اس خواب کے سننے والوں نے اسے اضغاث احلام ہی سمجھا اور شاید بہت ہی کم لوگ تھے جو اسے ایک حقیقت سمجھ کر اس کی عملی تصویر دیکھنے کے امیدوار تھے اور تو اور خود جناب محمد علی جناح کو بھی یہ امید نہ ہوسکتی تھی کہ یہ خواب صرف کچھ ہی سالوں میں دولت خداداد پاکستان کی شکل میں پورا ہوکر مسلمانوں کی سربلندی کا موجب ہوگا۔

اس قسم کے سنہری خواب کانگریس نے بارہا مرتبہ دیکھے اور ان کو پورا کرنے اور آزادی ہند کی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لئے اسے بیسیوں جتن کرنے پڑے، ہزاروں جانیں اسے اس راہ میں دینی پڑیں، کروڑ ہا روپیہ صرف کرنا پڑا، چھوٹے سے چھوٹے کانگریسی سے لے کر بڑے سے بڑے لیڈر تک کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ کئی مرتبہ اسے خلاف قانون جماعت قرار دے کر صفحہ ہستی سے فنا کر دینے کا تہیہ کیا گیا، ہندوؤں کا ایک ایک فرد اس کے ساتھ اور اس پر جان قربان کر دینے کے لئے تیار، سکھ اس کی حمایت میں، مسلمانوں کا ایک حصہ اس کی تائید میں، ایسے حالات میں اور ان قربانیوں کے صلہ میں جو کچھ اسے ملا تاریخ عالم میں وہ کوئی محیر العقول چیز نہیں۔

لیکن مسلم لیگ کو اتنے تھوڑے عرصہ میں جو کچھ کامیابی حاصل ہوئی باوجودیکہ خود مسلمانوں کی ایک جماعت کانگریس کے ساتھ مل کر اسے فنا کر دینے پر تلی ہوئی تھی، صرف سات سال نہیں بلکہ دو تین سال کی جدوجہد سے جو عظیم الشان فتح اس کو نصیب ہوئی جبکہ نہ خرچ کرنے کے لئے ان کے پاس پیسہ تھا اور نہ حکومت کی سختیوں کا مقابلہ کرنے اور جان دینے والے آدمی صرف ایک مخلص و بے نفس انسان تھا جو کانگریس کے ہتھکنڈوں اور حکومت کے حیلوں، بہانوں کو اس طرح توڑ کر رکھ دیتا رہا جیسے مکڑی کا جالا یا اتحاد کی وہ لہر تھی جو کانگریسی مسلمانوں کے علاوہ عام طور پر ہر طبقہ و فرقہ کے مسلمانوں میں پیدا ہوگئی جس نے خود بخود تنظیم کا ایسا رنگ اختیار کر لیا کہ ہندوؤں اور سکھوں کے منظم اور مسلح حملوں کو نہتے ہونے کے باوجود ناکام کر دیا۔ اسے تاریخ عالم میں بے نظیر نہیں تو ایسی عظیم الشان فتح ضرور کہا جاسکتا ہے جس کی بہت ہی کم مثالیں پائی جاتی ہیں۔

ایسی فتوحات سوائے اس کے کہ خداتعالیٰ کا ایک خاص ہاتھ ان کی تائید میں ہو اور وہ اپنے خاص فضل سے اپنے نام لیواؤں کو نوازنا چاہتا ہو کبھی نصیب نہیں ہوسکتیں۔ کچھ عرصہ پہلے ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ ایک ایسی آواز تھی جس پر بڑے بڑے سنجیدہ مسلمان بھی ہنسی اُڑا دیتے تھے کیونکہ اول تو انگریز کا ہندوستان کو چھوڑنا ایک ناممکن بات نظر آتی تھی اور پھر ہندوؤں اور سکھوں کا زور ہندوستان کی تقسیم کے خلاف ہر قربانی کے لئے تیاری جس کے ساتھ حکومت کی بھی تائید موجود تھی یہاں تک کہ لارڈ ویول جیسے وائسرائے نے بھی یہ کہہ کر مسلمانوں کو جواب دے دیا کہ جغرافیہ کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ وزارتی مشن کا پاکستان دینے سے صریح انکار اور مسلم لیگ کی وزارتی مشن کے فیصلہ کو قبول کرنے پر آمادگی یہ تمام چیزیں بتا رہی تھیں کہ ''پاکستان زندہ باد'' ایک بے حقیقت نعرہ ہے جو چند دن میں ختم ہوجائے گا لیکن خدا کے کاموں کو کون جانتا ہے جب وہ کسی کام کو کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے اور کُن فیکون کہہ کر بے حقیقت کو حقیقت کر دکھاتا ہے یہی آج مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ تمام ظاہری سامانوں کے ختم ہوجانے پر اس نے کُن فیکون کہا اور ویول کو یہاں سے رخصت کر کے مونٹ بیٹن جیسی شخصیت کو اس کی جگہ بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ بے حقیقت کو حقیقت بنا دیا۔ چند دنوں کے اندر پاکستان جیسی عظیم الشان مملکت مسلمانوں کے

حوالے کر دی جس پر جس قدر بھی سجدات شکر بجا لائے جائیں، جس قدر شکرانے کے نفل اس کی جناب میں پڑھے جائیں کم ہیں۔ مسلمان اس کے اہل نہ تھے، اس نے محض اپنی کرم نوازی سے ان کو اس کا وارث بنایا۔ ایک عظیم الشان واقعہ ہے جس کو تاریخ عالم کے محیر العقول واقعات میں سے قرار دیا جائے گا۔ یہ ایک نشان ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کو تازہ کرنے کا موجب ہے۔

بنگر اے قوم نشانہائے خداوند قدیر

چشم بکشا کہ بر چشم نشانیست کبیر

ایسی حالت میں کہ یہ ایک انعام الٰہی ہے جو مسلمانوں کو ملا ہے۔ یہ کہنا کہ اس کے حصول میں کیا کچھ جدوجہد کس کس نے کی، تاہم کسی تعریف کی خواہش کے بغیر یہ کہنا بے موقعہ نہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو مسلم لیگ اور پاکستان کی تائید میں کھڑا کر دیا وہاں جماعت احمدیہ کو بھی یہ توفیق دی کہ وہ اپنے مقدس امام کی ہدایت کے مطابق دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کی خاطر اپنی بساط کے موافق اس کی حمایت میں آواز بلند کرے، یہ ایک مذہبی اور تبلیغی جماعت ہے جسے سیاسیات سے چنداں سروکار نہیں لیکن جہاں مسلمانوں کا وقار ایک متفقہ آواز کا طلبگار ہوا اس جماعت نے ان کا ساتھ دینے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ اور تحریک پاکستان کے تمام دور میں اس کے اخبارات بالخصوص انگریزی اخبار ''لائٹ'' نہایت زبردست مضامین اس کی حمایت میں لکھتا رہا اور ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مضامین خود قائداعظم کی نظروں سے گذرتے رہے اور ان کی اہمیت کا اعتراف انہیں کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک سابق وائسرائے کے ساتھ گفتگو کے دوران میں بھی ایسے بعض مضامین کا ذکر آیا۔

اس طرح مسلم لیگ کی ہر ضرورت کے موقع پر اس جماعت نے اپنی طاقت کے مطابق مالی امداد کے لئے قدم بڑھایا اور کئی مرتبہ بیش قرار رقوم چندوں میں پیش کیں، ہر تحریک میں اس جماعت کے افراد مردوں اور عورتوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر شمولیت اختیار کی اور اپنی تبلیغی جدوجہد کو برقرار رکھتے ہوئے حصول پاکستان کے لئے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اپنی بضاعتہ مزجاۃ میں سے خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس جماعت کے ان بزرگوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ راتوں کی تاریکیوں میں اپنے حضور کھڑا ہونے کی توفیق دیتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کی برتری پاکستان کے حصول کے لئے دردِ دل سے دعائیں کیں انہی دعاؤں کے جواب میں کچھ مدت پہلے حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کو ''پاکستان زندہ باد'' کی بشارت بھی جناب الٰہی سے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے عاجز بندوں کی دعاؤں کو سنا اور ان کی ناچیز اور حقیر ترین قربانیوں کو قبول فرمایا جس کے نتیجہ میں آج ہم دلی رغبت کے ساتھ ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ بلند کرتے اور تمام جماعت احمدیہ، تمام مسلمانوں اور مسلم لیگ کے کارکنوں اور سب سے بڑھ کر قائداعظم کو تہ دل سے مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

اس موقع پر بے جا نہ ہوگا اگر ہم قائداعظم اور اراکین مسلم لیگ کو اس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ مملکت پاکستان کی حکمرانی اور ماتحت اقلیتوں کے ساتھ پوری رواداری اور عدل وانصاف کرنے کے علاوہ ایک بہت بڑا فرض جو ان پر عائد ہوتا ہے وہ تبلیغ اسلام کا فریضہ ہے، ہمارا ایمان ہے کہ مسلمانوں کی تمام کمزوریوں کی اصل جڑ اس فریضہ سے غفلت ہے، اگر شاہان اسلام اس ضروری فرض کو اپنے پیش نظر رکھتے اور جبر و تعدی سے نہیں بلکہ وعظ و تبلیغ سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تو شاید کانگریس اور مسلم لیگ کا جھگڑا پیش نہ آتا اور تمام ہندوستان پاکستان بن جاتا اور ہمارے کروڑہا بھائی جو ہندوراج کے ماتحت آ کر طرح طرح کے مصائب کا شکار بن چکے ہیں ان مصائب سے بچ جاتے۔ اب بھی اگر توجہ کی جائے اور مملکت پاکستان میں ایک تبلیغی شعبہ قائم کر کے ہندوستان اور پاکستان کے طول وعرض میں ایسے نیک دل اور مخلص واعظین و مبلغین کو پھیلا دیا جائے جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو غیر مسلموں کے سامنے لے جائیں اور اپنے حسن کردار اور عملی نمونہ سے ان تعلیمات کی خوبیوں کو ان پر واضح کر دیں تو بہت تھوڑے عرصہ میں بے شمار لوگ اسلام کے اندر لائے جا سکتے ہیں اور اس طرح یہ ملک اپنے حقیقی اور اصلی معنوں میں پاکستان بن سکتا ہے۔ (پیغام صلح ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء)

☆☆☆☆

عید اضحیٰ و قربانی

مولانا مصطفیٰ خان صاحب مرحوم و مغفور

جو تعلق عید الفطر کو رمضان المبارک سے ہے وہی تعلق عید الضحیٰ کو حج بیت اللہ شریف سے ہے۔ عید الفطر اس خوشی میں منائی جاتی ہے کہ مسلمان فریضہ روزہ کو ادا کر چکے ہیں اور عید الضحیٰ اس خوشی میں منائی جاتی ہے کہ حاجی حج کے فرض سے عہدہ برا ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ خوشی کا دن ایک مسلمان کے لئے کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کے فرائض ادا کر کے ان سے سبکدوش ہو۔

ذوالحج میں جس طرح حاجی عرفات میں اس شکریہ میں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو حج کے ختم کرنے کی توفیق دی قربانی کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے ممالک میں بھی ان کے مسلمان بھائی جو حج کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، اپنے حاجی بھائیوں کے ساتھ کم از کم قربانی میں شریک ہو جاتے ہیں اور اپنے گھروں میں قربانیاں کرتے ہیں۔ یہ قربانی بھی حج کی طرح حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت قدیمہ کی ایک یادگار ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رؤیا میں دکھایا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں چونکہ نبی کی رؤیا بھی وحی ہوتی ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کا عزم کر لیا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تمہارا کیا ارادہ ہے۔ بیٹا بھی آخر اسی باپ کا بیٹا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے خلعت نبوت پہنایا تھا۔ اس نے کہا کہ ابا جان جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے باہر لے گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیرنے کو ہی تھے کہ پھر وحی ہوئی کہ بس ابراہیم علیہ السلام تم اپنے امتحان میں پورے اُترے اور تم نے اپنا خواب سچا کر کے دکھا دیا۔ اب بیٹے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ احسان نسل انسانی پر ہمیشہ رہے گا کہ انہوں نے انسانی قربانی کو موقوف کر دیا۔ قرآن مجید میں یہ تمام قصہ یوں بیان ہوا ہے:

''جب اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس قدر ہو گئی کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ کام کاج کرنے لگے تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ اس نے کہا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے۔ وہی کیجئے مجھے آپ انشاء اللہ صابرین میں سے پائیں گے۔ پس جب ان دونوں نے خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کو ماتھے کے بل نیچے گرایا۔ اس وقت ہم نے آواز دی اے ابراہیم علیہ السلام تم نے اپنا خواب سچا کر کے دکھا دیا۔ ہم نیک عمل کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں بیشک یہ ایک کھلا امتحان تھا اور ہم نے بڑی قربانی کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دیا اور ہم نے آئندہ نسل میں ان کا نام نیک چھوڑ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو۔'' (102:37 تا 109)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس اعلیٰ درجہ کے ایثار کی یادگار میں آج تمام روئے زمین پر قربانیاں ہوتی ہیں اور قرآن مجید نے بھی اسی عالمگیر قربانی کو ذبح عظیم کے نام سے یاد کیا ہے۔

غیر مذاہب اسلام پر علی العموم اعتراض کیا کرتے ہیں کہ قربانی سے خدا تعالیٰ کو کیا تعلق ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کا کیا بڑھ جاتا ہے مگر یہ نادانی ہے۔ ہم جتنی عبادات کرتے ہیں۔ ان سے غرض محض اپنے قویٰ جسمانی و روحانی کی تربیت ہے۔ خدا کا کسی عبادت سے بھی کچھ نہیں بڑھتا اس قربانی سے بھی خدا کا کچھ فائدہ نہیں مگر ہم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال سے جس کو تازہ کرنے کے لئے ہم یہ قربانی کرتے ہیں۔ یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ان ہی کی طرح خدا کی راہ

میں ایثار اور جانفروشی سیکھیں۔ بیٹے سے زیادہ کوئی اور چیز ایسی عزیز نہیں ہوتی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عشق الٰہی قابل داد ہے کہ آپ خدا کی محبت میں ایسے فناہ ہیں کہ خدا کے حکم کے سامنے بیٹے کی محبت کو قربان کر دیتے ہیں اور اپنے نورعین کو اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پھر بیٹا بھی ایسا سعادت مند ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی جان دینے سے انکار نہیں کرتا۔ یہ وہ ایثار ہے، یہ وہ عشق ہے، یہ وہ حقیقی محبت ہے، یہ وہ اطاعت ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے ہم قربانی کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے بھی صاف لفظوں میں فرمادیا ہے کہ قربانی کا گوشت و پوست تو خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچتا۔ ہاں تقویٰ خدا تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

''قربانی کا گوشت اور خون تو خدا تک نہیں پہنچتا مگر تمہارا تقویٰ خدا کو منظور نظر ہے۔'' (22:37) اس آیت شریفہ سے ثابت ہے کہ قربانی سے بھی مدنظر وہی تقویٰ ہے جو تمام احکام شریعت کی اصلی غرض ہے۔

غرض قربانی سے ہم عملی طور پر یہ سبق سیکھتے ہیں کہ جس طرح ایک جانور کو جس پر ہمارا قبضہ عارضی اور غیر حقیقی ہے ہم اپنی مرضی سے نیچے گرا کر ذبح کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہمارا مالک ہم کو کوئی حکم دے تو ہم کو بھی اس کے حکم کے سامنے تمام نفسانی خواہشات تمام نفسانی جذبات کو قربان کر دینا چاہیے بلکہ اگر جان بھی مانگے تو اس سے بھی دریغ نہ ہو۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

قربانی کا رواج پہلی قوموں میں:

تاریخ دنیا پر اگر نظر کی جائے تو قربانی کی رسم کسی نہ کسی صورت میں قدیم سے ہر ایک متمدن ملک میں پائی جاتی رہی ہے۔ مورخین نے قربانی کی اصلیت اور ابتداء دریافت کرنے میں بہت سی دماغ سوزی کی ہے۔ مگر آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قربانی کی ابتداء اور اس کے آغاز کی حقیقت ابھی تک متحقق نہیں ہوئی۔ عام تھیوری یہ ہے کہ قربانی پہلے پہل محض خدا، اعلیٰ ہستی یا دیوتا کی خدمت میں بطور نذر پیش کی جاتی تھی پھر تبدیلی خیالات سے یہ بھی ایک عبادت سمجھی جانے لگی اور اس کے بعد یہ خیال پیدا ہو گیا کہ قربانی گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

قربانی کا دستور تقریباً روئے زمین کے تمام ممالک اور تمام اقوام عالم میں پایا جاتا ہے اور جن ممالک میں قربانی نہیں کی جاتی ان میں بھی اس کا خیال کسی دوسری صورت میں پایا جاتا ہے چنانچہ جرمنی، آسٹریلیا اور کوئین لینڈ میں قربانی بایں ہیئت کذائی نہیں جس طرح دوسرے ممالک میں جانور کو ذبح کر کے کی جاتی ہے مگر پھر بھی قربانی کا خیال وہاں کے باشندوں کے دماغ میں بھی جاگزیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کا جلد ۲۳ صفحہ ۹۸۱ میں ہے:

اگرچہ آسٹریلیا میں قربانی رائج نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں ایسی رسوم پائی جاتی ہیں جن سے ہم کسی نہ کسی صورت کی قربانی کا خیال منسوب کر سکتے ہیں۔ جس طرح کہ جرمن دہقان فصل کے آخری بالیں و دوان کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح آسٹریلیا کا سیاہ فام باشندہ اگر کچھ شہد اسے مل جائے تو اس میں سے ایک حصہ نذر کر دیتا ہے۔ شمال ویلز میں دریائی گھنگے اور برچھیاں دیوتاؤں کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔ کوئین لینڈ میں وہ چمڑا پیش کیا جاتا ہے جو زخم کے وقت اُتر جاتا ہے۔

یونان اور روما میں قربانی:

ملک یونان اور اس کی نو آبادیوں میں عام طور پر مصیبت کو دُور کرنے کے لئے انسانی قربانی کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایتھنز، دارالخلافہ یونان، کے لوگ ایسے اشخاص کی ایک جماعت رکھتے تھے۔ جو اپنی ذات برادری میں سے نکالے گئے ہوتے تھے جب کوئی قومی مصیبت آن پڑتی تو اس جماعت میں سے دو آدمیوں کو انتخاب کر لیتے تھے۔ ایک عورتوں کی طرف سے ایک مردوں کی طرف سے اور ان دونوں کو پھر شہر سے باہر لے جا کر سنگسار کر دیتے تھے۔ تھار جلیا میں ہر سال دو آدمی اسی طرح قربان کئے جاتے تھے۔ انسانی قربانی کے علاوہ حیوانی قربانیاں بھی رائج تھیں۔ ارکو پولیس دنام مندر میں ہر سال بکرے کی قربانی کی جاتی تھی۔ اسی طرح روما میں بھی انسانی اور حیوانی قربانیوں کا رواج تھا۔

مصر میں قربانی:

مصر میں قربانی کے متعلق ابھی تک کچھ زیادہ تحقیقات نہیں ہو سکی۔ مگر تصاویر کی شہادت سے جو کچھ پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دیرالبحری میں ایک جانور کو اسی طرح ذبح کیا جاتا تھا جس طرح مسلمان کرتے ہیں اور جانور کی ٹانگیں پیچھے باندھ دی جاتی تھیں۔ ذبح کرنے کے بعد اس کا دل اور کلیجہ نکال دیا جاتا تھا۔ سوختنی قربانی کا رواج مصر میں ثابت نہیں۔

ہندوستان میں قربانی:

حیوانی قربانی تو عموماً ہندوستان میں اس طرح ہوتی تھی جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مگر انسانی قربانی کی یہاں ایک صورت ستی ہونے کی بھی تھی۔ اس صورت میں بیوہ عورت اپنے شوہر کی چتا پر چڑھ کر زندہ جل جاتی تھی۔

افریقہ میں قربانی:

مغربی افریقہ میں بہت سی طرح کی قربانیوں کا رواج ہے۔ سالانہ رسوم کے موقع پر جسے ڈاہومی کہتے تھے اور جواب متروک ہے۔ سینکڑوں انسانی ہستیاں مذبح پر قربان ہو جاتی تھیں۔ ان کے ہاں قربانی کرنے کا طریق یہ تھا کہ جس کو ذبح کرنا ہوتا تھا۔ اسے پہلے قید میں رکھا جاتا تھا اور خوب کھلایا پلایا جاتا تھا۔ جب اسے قربان گاہ کی طرف لے جاتے تھے تو لوگ اس پر اپنے سر رکھتے تھے تاکہ ان کے گناہ اُتر جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں قربانی کفارہ خیال کی جاتی تھی۔ اہل افریقہ کے ہاں قربانی کا خون دیوتا کو چڑھایا جاتا تھا۔ آج کل بھی افریقہ میں حیوانی قربانیاں ہوتی ہیں جن کو یا تو جلا دیا جاتا ہے یا پانی میں غرق کر دیا جاتا ہے۔

امریکہ میں قربانی:

امریکہ کے اصلی باشندوں میں قربانی کی رسم مقابلتاً بہت کم رواج پذیر ہوئی ہے۔ مگر ''پانیز'' کے ہاں ایک رسم قربانی ہے جس میں وہ ستارہ صبح کے سامنے انسانی قربانی کرتے تھے۔ قربانی کا خون کھیتیوں پر چھڑکا جاتا تھا۔ حیوانی قربانی بھی رائج تھی اور لوگ اپنے گناہ اُن کی طرف منتقل کرتے تھے۔

میکسکو میں انسانی قربانی کا رواج اس قدر تھا کہ سال بھر میں کم از کم ۲۰ ہزار آدمی اس بھینٹ چڑھتے تھے۔ جن انسانوں کو قربان کیا جاتا تھا۔ ان کو متبرک خیال کیا جاتا تھا۔ قربانی کا دل دیوتا کی نذر ہوتا تھا۔ جسم کا گوشت پیشوایانِ مذہب اور رؤسا کھاتے تھے اور سر پہلی قربانیوں کے ساتھ محفوظ رکھا جاتا تھا۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ قربانی کی رسم ایک عالمگیر رسم ہے۔ قرآن مجید نے بالکل سچ فرمایا ہے۔

ہر ایک قوم کے لئے ہم نے عبادت کے طریق مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ چوپاؤں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھے ہیں! خدا کا نام لیں۔ خدا کی ہستی سے انکار کرنے والے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ہنسی اُڑانے والے ذرا غور کریں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایسا اُمّی شخص جو اور قوموں کی تاریخ تو کیا خود اپنی قوم کی تاریخ سے نابلد ہے جس نے کتاب کا ایک حرف نہیں پڑھا کسی طرح تمام عالم کے واقعہ کے متعلق اس تحدّی سے اعلان کر سکتا ہے۔ اس سے خدا کے علم کا پتہ لگتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید فی الواقعہ اس ہستی کا کلام ہے جس کا علم تمام دنیا پر محیط ہے۔

اسلام کی قربانی کا امتیاز خصوصی:

مندرجہ بالا حوالوں سے یہ امر تو صاف ظاہر ہے کہ اقوام عالم میں قربانی علی العموم کفارہ کے مترادف سمجھی جاتی ہے مگر اسلام کی قربانی کسی کفارہ کی قائم مقام نہیں بلکہ اس سے غرض یہ ہے کہ قربانی کرنے والا خود اعمال حسنہ میں ترقی کرے اور خدا کی برکات کو جذب کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆

قربانیوں کی داستان پاکستان

(تقریر دانیال احمد، بر موقع تقریب یوم آزادی 2018ء)

یقینِ محکم، عملِ پیہم، محبت فاتح عالم

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں

آج 14 اگست ہے۔ آزادی کا دن ہے۔ آج سے 71 سال پہلے علامہ اقبالؒ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے والے قائد کی ولولہ انگیز قیادت میں 14 اگست 1947ء کو ہمارا پیارا وطن پاکستان آزاد ہوا۔ نعرہ کیا تھا!

پاکستان کا مطلب کیا؟

لا الہ الا اللہ

لے کر رہیں گے پاکستان

بن کے رہے گا پاکستان

کتنی قربانیوں کے بعد یہ ملک حاصل ہوا۔ بتا دوں تو شاید جھوٹ لگے۔

بھائیو، بہنو! یہ ملک دس لاکھ انسانوں کی قربانیوں کے بعد معرض وجود میں آیا۔ سیاسی اُفق پر ہر قسم کے چیلنج سے نبرد آزما قائداعظم! گول میز کانفرنس، سول نافرمانی کی تحریکیں، جیل بھرو کی تحریکیں، دو قومی نظریہ کی اٹل حقیقت، 14 نکات، لیکن ایسے میں بھی کانگریس کا نعرہ ''اکھنڈ بھارت'' لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کی مشترکہ سازشیں، ایجنسیوں کی اندرونی رپورٹیں کہ پاکستان نہیں بننے دینا، بٹوارہ نہیں ہونے دینا۔ کیوں؟ اس لئے کہ مسلمان نوکر اور ہندو مالک، مسلمان مزدور اور ہندو ساہوکار، صنعتکار، مسلمان کسان اور ہندو جاگیردار، مسلمان بھکاری اور ہندو اَن داتا، مسلمان چپڑاسی اور ہندو ICS۔

قارئین کرام! جب اس محاذ پر کامیابی کے امکانات کم ہوتے نظر آئے تو ماسٹر تارا سنگھ اور سکھوں کے حملے، ماؤں کی گود میں دودھ پیتے بچوں کو برچھیاں ماری گئیں، بیٹے کے ہاتھوں میں باپ کی لاش اور باپ کے ہاتھوں میں بیٹے کی لاش۔

موتوں کی بنیاد پر بنائے گئے ''ورلڈ ڈیزاسٹر چارٹ'' میں 10 لاکھ اور اس کے زیادہ اموات کی وجہ زلزلے ہیں، آتش فشاں ہیں، سیلاب ہیں، قحط ہیں۔ لیکن اس چارٹ میں انسانیت کے علمبردار اکھنڈ بھارت کے حامیوں نہرو/ماؤنٹ بیٹن کی اشتراکیوں کے منہ پر طمانچہ تقسیم ہند کی 10 لاکھ اموات ہیں۔

یہ وطن بننا بہت ضروری تھا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ ''اس قوم سے بچ جاؤ جس کو رحم کرنا نہیں آتا'' جماعت احمدیہ کے بچے بچے نے اس قافلہ قائد میں شمولیت اختیار کی۔ وہ قائد محمد علی جناح جو قائداعظم تھا۔ جو یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا پیکر تھا۔ ہنود و نصریٰ کا کٹھ جوڑ پاکستان بننے کی راہ میں اٹل تھا۔ لیکن قائداعظم کی آہنی شخصیت نے اس کٹھ جوڑ کو پاش پاش کر دیا۔

کون اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا!

نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

قائداعظم ایک بہادر شخصیت، ایک اصول پسند شخصیت کو روکا کہ نیا نیا پاکستان بنا ہے۔ احمدیوں کے قائد محمد علی سے ملنے نہ جائیں۔ لیکن قائد نے فرمایا کہ نہیں میں نے ان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ قائداعظم تشریف لائے اور مولانا محمد علی، مولانا یعقوب خان صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے

یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

آج ہمیں عہد کرنا ہے کہ ہم اپنے عملِ پیہم سے پاکستان کی بقا اور ترقی میں حصہ ڈالتے رہیں گے۔ اپنی دعاؤں سے بھی اس سرزمین پاکستان کی آبیاری کرتے رہیں گے۔

پاکستان زندہ باد، احمدیت پائندہ باد

ہر ایک لمحہ اس کی خاطر کام کرنا ہے

دنیا میں اب روشن اس کا نام کرنا ہے

وقت پڑے تو اس کی خاطر ہر دُکھ سہہ لیں گے

ہم آن، ہم شان، ہم اس کی جان ہیں، ہم پاکستان ہیں

مسائل عیدالاضحیٰ

۱۔ عیدالاضحیٰ کو قربانی کرنا سنت ہے۔خدا کی راہ میں جس قدر اعلےٰ درجہ کی قربانی ہو وہ افضل ہے۔ناقص قربانی قابل قدر نہیں ہوتی،بکرا یا بھیڑ،دنبہ وغیرہ عمدہ اور تندرست اور بے عیب ہو۔گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔بکرے کی عمر دو سال کی ہونی چاہیے،بھیڑ یا دنبہ چھ ماہ کا بھی فقہا کے نزدیک جائز ہے۔

۲۔ قربانی کا وقت ۱۰ ر ذی الحجہ یعنی عید کے دن نماز عید و خطبہ کے بعد سے ۱۲ ذی الحجہ عصر کے وقت تک ہے ایک کنبہ کی طرف ایک بکرا یا بھیڑ کافی ہے۔

۳۔ قربانی کرتے وقت خدا کا نام لینا اور تکبیر کہنا چاہیے۔

۴۔ ''قربانی کا خون اور گوشت نہیں بلکہ تقویٰ خدا تک پہنچتا ہے۔'' قربانی دراصل خدا کے حکم کے آگے اپنی حیوانیت کو قربان کرنے کا اقرار ہے اور مقبولیت کا سر بھی یہی ہے۔

۵۔ عید کے دن نہانا،صاف کپڑے پہننا،خوشبو وغیرہ لگانا۔نماز عید پڑھنا،خطبہ سننا مسنون ہے۔عیدالفطر میں نماز سے پہلے کھانا سنت ہے لیکن عیدالضحیٰ میں نماز عید کے بعد کھانا سنت ہے۔

۶۔ عید کی نماز کی دو رکعتیں ہیں۔پہلی رکعت میں سات زائد تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں۔یاد رہے کہ دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ سے قبل یہ تکبیریں کہنی چاہئیں۔قرأت جہری ہوتی ہے اور نماز کے بعد خطبہ ہوتا ہے۔

۷۔ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مسنون ہے ایک حصہ خود اور اس کے اہل و عیال کھائیں۔دوسرا حصہ دوستوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کرے۔تیسرا حصہ مساکین اور یتامےٰ کو دے۔

۸۔ عید کے دن باہم ملنا جلنا۔کھانا پینا،خوشی منانا منشائے اسلام ہے۔نماز پڑھ کر گھروں میں گُھس کر بیٹھ رہنا یا سو کر دن کاٹ دینا اور اس گوشہ نشینی کا نام دینداری رکھنا غلط ہے۔

۹۔ ۹ ر تاریخ ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے شروع کر کے ۱۲ ر ذی الحجہ کی عصر نماز تک ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیریں بلند کرنے کا حکم ہے۔

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

خدا شناسی

ہم اپنے خدا تعالیٰ پر قوی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے صادق بندہ کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اگر وہ آگ میں ڈالا جاوے تو وہ آگ اس کو جلا نہیں سکتی۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ایک آگ نہیں ہزار آگ بھی ہو تو وہ جلا نہیں سکتی۔ صادق اس میں ڈالا جاوے تو ضرور بچ جاوے گا۔ ہم کو اگر اس کام کے مقابلے میں جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے، آگ میں ڈالا جاوے تو ہمارا یقین ہے کہ آگ نہیں جلا سکے گی اور اگر شیروں کے پنجرہ میں ڈالا جاوے تو وہ نہ کھا سکیں گے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ہمارا خدا وہ خدا نہیں جو اپنے صادق بندہ کی مدد نہ کر سکے بلکہ ہمارا خدا قادر خدا ہے جو اپنے بندوں اور اس کے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دعا بھی ایک فضول شے ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ میں خدا کی نسبت بیان کرتا ہوں اس کی قوتیں اور طاقتیں اس سے بھی کروڑ کروڑ درجے بڑھ کر ہیں جن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے تو وہ آگ ہرگز ہرگز آپ ؐ کو جلا نہیں سکتی تھی۔ اگر کوئی محض اس بناء پر کہ آگ اپنی تاثیر نہیں چھوڑتی اُن کا انکار کرے تو وہ خبیث اور کافر ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے جب ان سب دشمنوں کو مخاطب کر کے یہ کہہ دیا کہ فکیدونی جمیعاً تم سب مکر کر کے دیکھ لو میں اس کو ضرور بچا لوں گا۔ پھر اگر کوئی یہ وہم بھی کرے کہ آگ میں ڈالتے تو معاذ اللہ جل جاتے، یہ کفر ہے۔ قرآن شریف سچا ہے اور خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں، وہ کوئی حیلہ اور فریب آپ ؐ کی جان لینے کے لئے کرتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے گزند سے محفوظ رکھتا جیسا کہ محفوظ رکھ کر دکھا دیا، خواہ وہ صلیب کا مکر کرتے، خواہ آگ میں ڈالنے کا، غرض کوئی بھی کرتے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وعدے کے موافق صادق ثابت ہوتے جیسا کہ ہوئے۔ جس طرف ہم اپنی جماعت کو کھینچنا چاہتے ہیں وہ یہی عظیم الشان مرحلہ خدا شناسی کا ہے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جاوے گا۔ ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں۔ اور اس ہلاک کرنے والے شرک و کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچا لیں۔ (پیغام صلح 23 مئی 1962ء)